ماہنامہ **محدث** بنارس

www.mohaddis.org

سرپرست
عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی

معاون مدیر
مولانا عبدالمتین مدنی

عدد مسلسل: ۳۹۵
جلد: ۳۴ ، شمارہ: ۱۱

صفر ۱۴۳۸ھ = نومبر ۲۰۱۶ء

بدل اشتراک
- ہندوستان: 150 روپئے
- بیرون ممالک: 40 ڈالر
- فی شمارہ: 15 روپئے

اشتراک کے لیے ڈرافٹ مندرجہ ذیل نام سے بنوائیں
Name: DAR-UT-TALEEF WAT-TARJAMA
Bank: ALLAHABAD BANK
KAMACHHA, VARANASI
A/cNo.21044906358
IFSC Code: ALLA0210547
SWIFT Code: ALLAINBBVAR

مراسلت کا پتہ
Darut Taleef Wat Tarjama
B.18/1-G, Reori Talab,
Varanasi - 221010

اس شمارہ میں

۱-درس قرآن	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲
۲-درس حدیث	مولانا عبدالمتین مدنی	۴
۳-افتتاحیہ	معاون مدیر	۶
۴-نماز: توحید پرستوں کے......	ڈاکٹر صالح بن عبداللہ بن حمید	۸
۵-ولیمہ	محمد اسلم مبارک پوری	۱۵
۶-ام المؤمنین عائشہ صدیقہ......	عبدالولی عبدالقوی	۲۲
۷-براعظم افریقہ: نئے دور میں	ڈاکٹر عبدالتواب خان	۲۹
۸-ہے زندہ فقط وحدت افکار......	عبدالباری شفیق سلفی	۳۵
۹-ماہ صفر کی حقیقت	عبداللہ محمد امتیاز سلفی	۳۸
۱۰-زوال بندۂ مومن کا......	محمد غفران بن عبیدالرحمٰن	۴۰
۱۱-عالم اسلام	ظل الرحمٰن سلفی	۴۵
۱۲-اخبار جامعہ	شعبۂ اطلاعات ورابطہ عامہ	۴۶
۱۳-باب الفتاوی	دارالافتاء	۴۷

نوٹ : ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

''محمد رسول اللہ'' کی شہادت سے مقصود آپ کی فرماں برداری ہے

عبداللہ سعود بن عبدالوحید

اللہ تعالی نے فرمایا ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللّٰهِ﴾ (سورہ نساء:۶۴) یعنی ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اس لیے بھیجا ہے کہ اللہ کے حکم سے اس کی فرماں برداری کی جائے۔

سورہ اعراف میں خصوصیت کے ساتھ آپ کی فرماں برداری کا حکم ہے:

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعاً الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ لا إِلَـهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِـي وَيُمِيتُ فَآمِنُواْ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾ (سورہ اعراف:۱۵۸)

(اے محمد ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا ہوں جس کی بادشاہی تمام آسمانوں اور زمین میں ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے، سو اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے بھیجے ہوئے نبی امی پر جو اللہ پر اور اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کی اتباع کرو تا کہ تم راہ پر آجاؤ۔

کلمۂ طیبہ کے جزء ''محمد رسول اللہ'' کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم آپ کو اللہ کا رسول تسلیم کریں۔ آپ نے جو کچھ بھی احکام الٰہی ہم تک پہنچایا ہے سب کو اللہ کا پیغام مانیں اور تسلیم کریں جیسا کہ سورہ نجم میں اللہ نے بتلایا ہے: ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَى، إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى﴾ کہ وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا یہ تو صرف وہی ہے جو آپ پر نازل کی جاتی ہے۔ آپ کی اطاعت اصل میں اللہ کی اطاعت ہے جیسا کہ اللہ نے بیان فرمایا ہے: ﴿ مَّنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ وَمَن تَوَلَّى فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظاً﴾ (سورہ نساء:۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل اللہ کی اطاعت کی اور جو منہ پھیر لے تو ہم نے آپ کو ان لوگوں پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا ہے۔

اللہ نے محمد ﷺ کو اپنا آخری پیغمبر بنا کر بھیجا تو آپ کو حکم دیا کہ آپ کو جو بھی باتیں اللہ کی طرف سے بتائی جائیں سب کو آپ پہنچا دیجئے، آپ کا فریضہ تبلیغ دین ہے، آپ پر ہدایت بخش دینے کی ذمہ داری نہیں ہے، اور نہ ہی آپ نگرانی کے لیے داروغہ بنا کر بھیجے گئے ہو، جو شخص آپ کی بات مانے اور اسی پر چلے وہ کامیاب ہوگا اور جو نافرمانی کرے گا یا نہیں مانے گا وہ خسارہ میں رہے گا، اللہ نے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ (سورہ مائدہ:۶۷) اے پیغمبر! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ (لوگوں تک) پہنچا دو، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اس کی پیغمبری کا حق ادا نہ کیا، اللہ تم کو لوگوں (کے شر) سے بچانے والا ہے۔

اللہ نے یہ بھی فرمایا: ﴿لَّيۡسَ عَلَيۡكَ هُدَاهُمۡ وَلَـٰكِنَّ اللّٰهَ يَهۡدِىۡ مَن يَشَآءُ﴾ (سورہ بقرہ:۲۷۲) لوگوں کو ہدایت بخش دینے کی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے، ہدایت تو اللہ ہی جسے چاہتا ہے بخشتا ہے۔ سورہ غاشیہ میں فرمایا: ﴿فَذَكِّرۡ إِنَّمَآ أَنتَ مُذَكِّرٌ، لَّسۡتَ عَلَيۡهِم بِمُصَيۡطِرٍ﴾ پس آپ نصیحت کیے جاؤ، آپ بس نصیحت ہی کرنے والے ہیں، آپ کچھ ان پر داروغہ نہیں ہیں۔

ایک مسلمان پر فرض ہے کہ آپ کی اطاعت کرے، اپنی خواہشات نفس کو آپ کے فرامین کے آگے قربان کر دے، آپ کی فرماں برداری اور آپ سے محبت کے اظہار میں آپ کی ہدایات اور صحابہ کرام کے طرز عمل کو اپنائے اور کسی دیگر قوم و مذہب کی بات وان کے اعمال کی نقالی نہ کرے، چاہے وہ اہل کتاب ہی کیوں نہ ہوں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے سچے فرماں بردار تھے اور آپ سے جو عقیدت و محبت رکھتے تھے ہماری فرماں برداری اور ہماری محبت رسول کا ان سے کچھ مقابلہ نہیں ہوسکتا، وہ اللہ کے رسول محمد ﷺ کے تربیت یافتہ تھے اور دین اسلام کے سچے پیروکار تھے، اطاعت رسول اور محبت رسول میں صحابہ کرام کا عمل امت محمدیہ کے لیے مثال ہے، انہیں صحابہ کرام سے اللہ کے رسول محمد ﷺ نے بیان فرمایا تھا: "كل أمتي يدخلون الجنة، إلا من أبى، قيل: يا رسول الله ومن أبى؟ قال: من عصاني فقد أبى" (المستدرک علی الصحیحین للحاکم: ٦٢٦٧)، میری امت کا ہر فرد جنت میں جائے گا مگر وہ جنت میں نہیں جائے گا جو انکار کر دے، آپ سے سوال کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول وہ کون ہے جو انکار کر دے گا، تو آپ نے فرمایا جو میری نافرمانی کرے گا سمجھ لو اس نے انکار کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی جگہوں پر بہت وضاحت سے بیان فرمایا ہے کہ پیغمبر جو کچھ حکم کریں مانو اور جن سے روکیں رک جاؤ، رسول کا کام اللہ کے پیغام کو پہنچانا ہے جس کو محمد ﷺ نے امانت داری کے ساتھ پورا کر دیا ہے اور حجۃ الوداع کے موقع پر صحابہ سے اس بات کی گواہی لی کہ میں نے اللہ کے دین کو پہنچا دیا کہ نہیں، سب نے بیک آواز گواہی دی کہ آپ نے پہنچا دیا۔ اب یہ دین قیامت تک اللہ کی نگرانی میں باقی رہے گا، اگر کوئی انسان صحیح طور پر نبی کی اطاعت و فرماں برداری کرے گا تو اس کی نجات ہوگی نہیں تو وہ خسارے میں رہے گا، سورہ تغابن میں اللہ نے فرمایا ہے: ﴿وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِن تَوَلَّيۡتُمۡ فَإِنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا الۡبَلَاغُ الۡمُبِينُ﴾ (سورہ تغابن:۱۲) یعنی اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو لیکن اگر تم اطاعت سے منہ موڑتے ہو تو جان لو کہ ہمارے رسول پر صرف صاف صاف پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے، اور سورہ عنکبوت میں فرمایا: ﴿وَإِن تُكَذِّبُوا فَقَدۡ كَذَّبَ أُمَمٌ مِّن قَبۡلِكُمۡ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الۡبَلَاغُ الۡمُبِينُ﴾ (سورہ عنکبوت:۱۸) اور اگر تم جھٹلاتے ہو تو تم سے پہلے بہت سی قومیں جھٹلا چکی ہیں۔ اور رسول پر صاف صاف پیغام پہنچا دینے کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

محمد ﷺ نے اللہ کا پیغام ہم تک پہنچا دیا ہے جو اسلامی شریعت کی شکل میں موجود ہے۔ اب ہم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اگر ہم مسلمان ہیں اور محمد ﷺ کو اللہ کا رسول تسلیم کیا ہے تو ان کی اطاعت کریں۔ محمد رسول اللہ کی شہادت سے یہی مقصود ہے۔☆

درس حدیث

شہرت کا لباس

مولانا عبدالمتین مدنی

عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ أَلْبَسَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَوْبَ مَذَلَّةٍ. (سنن ابوداود، ح:۴۰۳۱، سنن ابن ماجہ، ح:۳۶۰۷ واللفظ لہ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جس نے شہرت کا لباس پہنا اللہ اسے قیامت کے روز ذلت کا لباس پہنائے گا۔

لباس انسان کی بنیادی ضرورت اور اس کے جمالیاتی ذوق کا مظہر ہے۔ لباس سے انسان کی مالی حیثیت، عادات واطوار اور پسند وناپسند کا اندازہ لگتا ہے، تہذیب وشائستگی اور نظافت وسلیقہ کا ترجمان لباس ہے۔

اسلام میں جامہ زیبی کی ترغیب دی گئی ہے۔ آیات واحادیث میں اسے اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، نماز رب کے سامنے تواضع وانکساری کا سراپا اظہار ہے، اس کے لیے جانے کے وقت بھی خوش پوشاکی کا حکم دیا گیا ہے: ﴿يَا بَنِي آدَمَ خُذُواْ زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (اعراف:۳۱) اے اولاد آدم تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت اپنا اچھا لباس پہن لیا کرو۔ اور اس کے بعد والی آیت کریمہ میں فرمایا گیا: ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللّهِ الَّتِيَ أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالْطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِي لِلَّذِينَ آمَنُواْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ آپ فرمادیجئے کہ اللہ کے پیدا کیے ہوئے اسباب زینت کو، جن کو اس نے اپنے بندوں کے واسطے بنایا ہے اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو کس نے حرام کیا ہے؟

ان آیات سے معلوم ہوا کہ عمدہ اور اچھا لباس پہننا تواضع کے خلاف نہیں ہے بلکہ اسلام اپنے ماننے والوں کو باوقار اور خوش پوشاک دیکھنا چاہتا ہے۔

اسلام میں لباس کے چند آداب وضوابط بیان کیے گئے ہیں جن میں ایک اعتدال ومیانہ روی ہے، یعنی لباس پہننے والا اپنی مالی حیثیت اور معاشرہ کی عام پوشاک کی رعایت کرتے ہوئے کپڑے پہنے، اس لیے کہ اگر اپنی مالی حیثیت سے زیادہ خرچ کرے گا تو اسراف وفضول خرچی کا ارتکاب کرے گا اور اگر اپنی حیثیت سے کم خرچ کرے گا تو بخیل وکنجوس کہلائے گا اور شرعا دونوں باتیں مذموم وممنوع ہیں، اسی طرح اگر وہ عام عرف کو نظر انداز کر کے بہت عمدہ اور بیش قیمت لباس پہنے یا بالکل انوکھا اور نادر رنگ پسند کرے یا لباس کی تراش عام لباس سے بالکل مختلف اور الگ ہو تو ان تمام صورتوں میں لوگوں کی نگاہیں اور انگلیاں اس کی طرف اٹھیں گی اور وہ لباس محفل کا موضوع بن جائے گا۔ علماء ایسے لباس کو شہرت کے لباس سے تعبیر کرتے ہیں جس کا پہننا جائز ودرست نہیں ہے۔ مذکورہ بالا حدیث میں شہرت کے لباس سے منع کیا گیا ہے اور

اس کی سزا بھی بتلا دی گئی ہے۔

اس حدیث کی شرح میں علامہ سرخسی تحریر فرماتے ہیں: "والمراد أن لا يلبس نهاية ما يكون من الحسن والجودة في الثياب على وجه يشار إليه بالأصابع أو يلبس نهاية ما يكون من الثياب الخلق على وجه يشار إليه بالأصابع فإن أحدهما يرجع إلى الاسراف والآخر يرجع الى التقتير، وخير الأمور أوسطها". (المبسوط:۳/۲۶۸)

مراد یہ ہے کہ ایسا لباس نہ پہنے جو انتہائی خوبصورت اور عمدہ ہو کہ اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جائے (کہ فلاں کے کپڑے کو دیکھو) اور نہ اتنا معمولی لباس پہنے کہ اس کی طرف بھی اشارہ کیا جائے۔اس لیے کہ ان دونوں میں سے ایک اسراف اور دوسرا بخل ہے اور سب سے بہتر اعتدال ومیانہ روی ہے۔

الموسوعۃ الفقہیۃ میں اس عمل کے ناپسندیدہ ہونے کی ایک وجہ بیان کی گئی ہے: "لبس الألبسة التي تخالف عادات الناس مكروه لما فيه من شهرة إلى ما يشتهر به عند الناس ويشار إليه بالأصابع لئلا يكون ذلك سبب إلى حملهم على غيبته فيشاركهم فی إثم الغيبة". (الموسوعۃ الفقہیۃ:۶/۱۳۶-۱۳۷)

ایسا لباس جو لوگوں کی عام پوشاک سے مختلف ہو اس کا پہننا مکروہ ہے اس لیے کہ یہ باعث شہرت ہے یعنی اس لباس کی وجہ سے وہ لوگوں میں مشہور ہو جائے گا، اس کی طرف انگلیاں اٹھیں گی، لوگ اس کی وجہ سے اس کی غیبت کریں گے اور اس غیبت کا سبب بننے کی وجہ سے وہ بھی شریک گناہ ہوگا۔

آج نوجوانوں میں شوق انفرادیت جنون کی حد تک جا پہنچا ہے اور اس جنون نے شرعی و مالی اعتبار سے ان کو بڑے خسارہ میں مبتلا کر دیا ہے، اگر یہ کہا جائے کہ اس کا اثر ان کے اخلاق وکردار پر بھی مرتب ہو رہا ہے اور وہ کبر وغرور کی لعنت میں مبتلا ہو رہے ہیں تو یہ تجزیہ بھی بیجا نہیں، اس لیے کہ تکبر ہی ان کو خود آرائی اور نمائش کی طرف لے جاتا ہے اور محفل کی واہ واہی ان کو غرور میں مبتلا کر دیتی ہے اور پھر وہ اسی روش پر چل پڑتے ہیں۔منافست کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوتا ہے اور یہ وبا دن بدن بڑھتی چلی جاتی ہے۔نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ ظاہری آرائش وزیبائش سے زیادہ اپنے باطن کو سنوارنے کی فکر کریں اور لوگوں کی نظر میں اچھا بننے کے بجائے اپنے رب کی رضا کو تلاش کریں۔یہی ان کی کامیابی کی پہلی اور آخری منزل ہے۔

☆☆☆

افتتاحیہ

ٹریفک نظام اور ہماری ذمہ داریاں

معاون مدیر

انسانی آبادی کا ایک بڑا حصہ روزانہ شاہراہوں سے گزرتا ہے، کوئی پیدل چل رہا ہے تو کوئی سواری پر ہے، کوئی روزی روٹی کی تلاش میں گھر سے نکلا ہے تو کوئی اسکول یا مدرسہ جانے کے لئے، کسی کا رخ ہاسٹل کی طرف ہے تو کوئی ضروریات زندگی کی تکمیل کے لئے بازار جا رہا ہے، کوئی مسجد یا مندر کا راہی ہے تو کسی کا رخ کسی اور سمت ہے۔ الغرض یہ کہ راستے اور سڑکیں راہگیروں سے آباد ہیں، کبھی آمد ورفت معمول کے مطابق رواں دواں ہے، نہ بھیڑ بھاڑ ہے اور نہ شور شرابہ، ہر شخص اپنی منزل پر صحیح وقت پر پہنچ رہا ہے، اس کے برعکس راستے کبھی غیر متوقع بھیڑ بھاڑ کے شکار ہیں، سواریوں کی کثرت ہے، ٹریفک نظام نظر انداز کر کے ہر شخص آگے بڑھنے کی ہوڑ میں لگا ہے، لیکن نہ وہ خود آگے بڑھ پا رہا ہے اور نہ دوسری سواریوں کو آگے جانے کا موقع دے رہا ہے، یہ صورتحال کتنی خراب ہے اور یہ کس اخلاق وتہذیب کا مظاہرہ ہے، حکومتوں نے ٹریفک اصول وضع کئے، اسے باضابطہ رکھنے کے لئے جگہ جگہ اشارے اور لوحے لگائے گئے، یہ سارے انتظامات کس کے لئے اور کیوں کئے گئے؟ اور اس نظام کی پابندی نہ کی جائے تو اس میں کس کا نقصان ہے؟

آئے دن کتنے حادثے رونما ہوتے ہیں؟ ناحق کتنی جانیں جاتی ہیں؟ کتنے لوگوں کے ہاتھ پیر اور سواریوں کے کل پرزے ٹوٹتے ہیں؟

نظام کی پابندی نہ کرنے کی وجہ سے جام لگتا ہے، سڑکوں کی رفتار رک جاتی ہے، گزرنے والوں کے اوقات کا ایک بڑا حصہ سڑکوں پر ضائع ہو جاتا ہے، کتنے ملازمین اپنی ڈیوٹی پر صحیح وقت پر نہیں پہنچتے، کتنے بچے اسکول یا گھر تاخیر سے پہنچتے ہیں، کتنوں کی ٹرین یا فلائٹ چھوٹ جاتی ہے۔ حد تو یہ ہے جب ایمبولنس میں ایک مریض درد کی شدت سے کراہ رہا ہوتا ہے اور اسے راستہ نہیں ملتا، سواریوں کا شور قوت سماعت کو متاثر کرتا ہے، پٹرول رڈیزل الگ جلتا رہتا ہے جو فضا میں کثافت گھولتا ہے، یہ کثافت صحت کو متاثر کرتی ہے۔ الغرض یہ کہ ٹریفک کے نظام کی پابندی نہ کرنے کی وجہ سے جان، مال، وقت اور صحت سب برباد ہوتے ہیں۔

ڈرائیونگ صرف ایک آرٹ نہیں بلکہ اخلاق وتہذیب کا مظہر بھی ہے۔ ایک شخص بھیڑ بھاڑ والے علاقے سے اپنی سواری لئے بہت تیز رفتاری کے ساتھ گزر رہا ہے، ایک شخص اسکول یا مسجد کے پاس سے بلاوجہ ہارن بجاتے گزرتا ہے، ایک شخص دوسری گاڑیوں کے درمیان اپنی گاڑی پر بیٹھا فحش گانے زور زور سے بجا رہا ہے، ایک شخص دوسری گاڑیوں پر بیٹھی خواتین سے آنکھیں لڑا رہا ہے، ایک شخص رواں دواں ٹریفک میں بغیر سگنل دیے ہوئے اپنی رو سے دوسری رو میں اچانک

آجاتا ہے، ایک شخص ایسا بھی ہے جو موقع پاتے ہی مخالف سمت آجاتا ہے اور اپنے ہنر کا جلوہ دکھلانے لگتا ہے، ایک شخص اپنی سواری میں کھاپی رہاہے اور بچا کھچا سامان سواری سے ہی درمیان سڑک پر پھینک رہاہے، ایک شخص موبائل سے باتیں کرتا ہوا گاڑی چلا رہاہے، ایک شخص ڈرائیونگ کرتے ہوئے یہ دیکھ رہاہے کہ سڑک کے کنارے کوئی بچہ یا ضعیف سڑک پار کرنے کے لئے کھڑا ہے مگر اس کے باوجود اس کے لئے بریک نہیں لگاتا، ایک شخص یہ جانتے ہوئے کہ اس سڑک پر پارکنگ کی جگہ نہیں ہے اس کے باوجود گاڑی پارک کردیتا ہے اور جام کا سبب بنتا ہے۔

ٹریفک نظام کی مخالفت اور بدتہذیبی کے یہ مظاہرے آئے دن نظروں سے گزرتے ہیں جس کے نتیجہ میں لڑائی جھگڑا ہوتا ہے اور جانی ومالی نقصان بھی۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ زیادہ تر نوجوان رف ڈرائیونگ کرتے ہیں، شاید وہ اپنے شوخی کی وجہ سے ایسا کرتے ہوں اس لئے ان کے والدین کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ان کو تنبیہ کریں اور بار بار تنبیہ کریں اگر اس کے باوجود وہ اپنی حرکت سے باز نہ آئیں تو کوئی اور موثر قدم اٹھائیں ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آنے والے دن کے لئے کسی بڑے نقصان کی خبر لے کر آئے۔

تعلیمی اور رفاہی تنظیموں اداروں کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً ایسے کیمپ لگائیں جن میں ڈرائیونگ کے رہنما اصول کے ساتھ ساتھ اس کے اخلاقی وتہذیبی گوشوں کو بھی اجاگر کیا جائے اور نوخیزوں کو یہ باور کرایا جائے کہ اچھی ڈرائیونگ ہی اچھے سماج کی پہچان ہے۔

ٹریفک نظام کو معمول کے مطابق رکھنے کے لئے ٹریفک پولس کے افراد اپنی ڈیوٹی ایمانداری کے ساتھ ادا کریں، نہ وہ تفریق وامتیاز سے کام لیں اور نہ اپنی جیب گرم کرنے کے لئے نظام کی مخالفت کو انگیز کریں اس لئے کہ اس سے سدھار کے بجائے بگاڑ پیدا ہوگا اور جرائم بڑھیں گے۔

اسلام امن وسلامتی والا مذہب ہے، ہر وہ کام جو کسی کے جان ومال کو خطرہ میں ڈالے، اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا ﴿وَلاَ تُلْقُواْ بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوَاْ إِنَّ اللّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ (البقرہ:۱۹۵) اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں مت ڈالو اور احسان کرو، اللہ اچھا کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ نیز فرمایا: ﴿وَلاَ تَقْتُلُواْ أَنفُسَكُمْ إِنَّ اللّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيماً﴾ (نساء:۲۹) اپنے آپ کو قتل مت کرو بے شک اللہ تم پر مہربان ہے۔ اور نہ ہی اس کی اجازت دیتا ہے کہ کسی راہگیر کو، پیدل یا سواری پر چلنے والوں کو اذیت یا تکلیف پہنچائی جائے ﴿وَتَعَاوَنُواْ عَلَى الْبرِّ وَالتَّقْوَى وَلاَ تَعَاوَنُواْ عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (مائدہ:۲) نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تم ایک دوسرے کی مدد کرو گناہ اور ظلم کے کاموں میں نہیں۔ اس لئے تمام مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ خاص طور سے اسلام میں راستوں کے جو آداب واحکام بیان کئے گئے ہیں ان کی پابندی کرنے کے ساتھ ساتھ ملک کے ٹریفک نظام پر بھی عمل پیرا ہو کر اچھے مسلمان اور اچھے شہری ہونے کا ثبوت پیش کریں۔

☆☆☆

نماز: توحید پرستوں کے آنکھوں کی ٹھنڈک

خطبہ حرم بتاریخ: ۱۸/ ۳/ ۱۴۳۶ھ = ۹/ ۱/ ۲۰۱۵ء

خطبہ: عالی جناب ڈاکٹر صالح بن عبداللہ بن حمید
امام وخطیب مسجد حرام وسابق صدر مجلس شوری، سعودی عرب

ترجمہ: ڈاکٹر عبدالمنان محمد شفیق
مدرس ام القری یونیورسٹی، مکہ مکرمہ

پہلا خطبہ:

ہر قسم کی حمد وثناء اللہ ہی کے لئے ہے جس کا حکم ہر کسی پر نافذ ہے، جو عظیم قدر والا اور بلند ذکر والا ہے، میں اس کی حمد وثناء بیان کرتا ہوں، وہ پاک ذات ہے، اور میں اس کا شکر یہ ادا کرتا ہوں جس کا احسان اور نیکی ہم پر لگا تار ومسلسل جاری ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں ہے، وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے، جس نے اپنی انسیت ومحبت کے چراغ سے خوفزدہ دلوں کو روشن کر دیا، اور جس نے اپنی قدسیت سے عزت کی جگہوں کو مخلصوں کا ٹھکانہ بنایا، میں گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے پیشوا اور نبی محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، جن کی سلطنت واقتدار کے ذریعہ اللہ نے شیطان کی گندگی کو دور کیا، اور جن کے دلیل وبرہان کی روشنی کے ذریعہ شیطانی بہتان کی تاریکی کو روشن کیا، اللہ کی رحمت وسلامتی اور برکت نازل ہو آپ پر جنہوں نے دین کو اس کی ستونوں کے بنیادوں پر قائم کیا اور آپ کے اہل خانہ پر اور آپ کے صحابیوں اور تابعین اور انصار پر۔

حمد وصلاہ کے بعد:

اے لوگو: میں اپنی ذات کو اور آپ سب کو اللہ کے تقوی کی نصیحت کرتا ہوں، لھذا- اللہ آپ سب پر رحم فرمائے- اللہ سے ڈرو، یقینا زمانہ اپنے انقلابات میں سچا ہے جھوٹا نہیں ہے، اور گردش زمانہ کی موعظت ونصیحت تعجب خیز ہے، پس کتنی خوشیاں ہیں جو غموں میں تبدیل ہوگئیں اور کتنے لوگ ہیں جو اچانک غفلت میں دھر لئے گئے، چنانچہ اس دن کی تیاری کرو جس دن کا سامان ہمارے اعمال ہوں گے، اور جس دن کے گواہ ہمارے اعضاء وجوارح ہوں گے، جس دن ندامت ندامت والے کو کوئی فائدہ نہیں دے گی، اور جس دن اللہ کے حکم سے کوئی چیز بچانے والی نہیں ہوگی مگر جس پر وہ خود رحم فرمائے، فرمان الہی ہے: {كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ، ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ، كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ ، لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ ، ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِينِ ، ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ} (تکاثر ۸-۳) (ہرگز نہیں، عنقریب تم کو معلوم ہو جائیگا، پھر سن لو کہ ہرگز نہیں عنقریب تم کو معلوم ہو جائیگا، ہرگز نہیں اگر تم یقینی علم کی حیثیت سے اس روش کے انجام کو جانتے ہوتے تو تمھارا یہ طرز عمل نہ ہوتا، تم دوزخ دیکھ کر رہو گے، پھر سن لو کہ تم بالکل یقین کے ساتھ اسے دیکھ لوگے، پھر ضرور اس روز تم سے ان نعمتوں کے بارے میں جواب طلبی کی جائے گی)

اے مسلمانو! بلا شبہ اللہ کی عبادت اور بندگی ہی اللہ کی محبوب غایت اور پسندیدہ مقصد ہے، جس کے لئے اللہ نے ساری مخلوقات کو پیدا فرمایا، اور جس کی تبلیغ کے لئے رسولوں کو مبعوث فرمایا، اور جس کے بیان کے لئے کتابیں نازل فرمائیں، اور جس کے ادا کرنے والے کی تعریف فرمائی۔ فرمان الٰہی ہے: کیا اس شخص کی روش بہتر ہے یا اس شخص کی جو مطیع فرماں بردار ہے، رات کی گھڑیوں میں کھڑا رہتا اور سجدے کرتا ہے، آخرت سے ڈرتا اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہے، (زمر: ۹) اور عبادت نہ کرنے والوں کی مذمت کی ہے اور ان کو متکبر قرار دیا ہے۔ فرمان خداوندی ہے: {إِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ} (غافر: ۶۰) (یقین مانو کہ جو لوگ میری عبادت سے خودسری کرتے ہیں، ضرور وہ ذلیل وخوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے)

عبادت اللہ سے انس ومحبت ہے، اور اس سے مناجات وسرگوشی کی شادمانی ہے، ایسی خوشی اور مسرت جو غیر منقطع، دائمی اور لافانی ہے، لھذا جو سعادت اور خوش نصیبی چاہتا ہے تو اس پر عبادت اور بندگی بجالانا لازم ہے کیونکہ عبادت گذار لوگ ہی خوش نصیب ہوتے ہیں، معلوم ہوا کہ ہمارے دلوں کے لئے عبادت ہمارے جسموں کے لئے خوراک اور پانی سے زیادہ ضروری ہے۔

اے اللہ کا بندہ! جب تیرا نفس کسی دن تنگ ہوجائے، تجھے پریشانی، تنگی اور اکتاہٹ ہو، تجھے شکایت کی حاجت وضرورت محسوس ہو، اور تجھے کوئی سخت معاملہ درپیش آجائے تو تو توحید پرستوں کے آنکھوں کی ٹھنڈک، مومنوں کے نفسوں کی راحت اور عاجزی کرنے والوں کے دلوں کی بہار کی پناہ گاہ میں آجا، تمام عبادتوں کی اصل اور تمام طاعتوں کی تاج کا سہارا لے، اس چیز کی طرف رخ کر جس کی طرف تمھارے حبیب اور نبی ﷺ رخ کیا کرتے تھے، نماز کی طرف بھاگ اور اس کی طرف پناہ لے، حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کہتے تھے کہ اے بلال مجھے اس کے ذریعہ آرام وراحت پہونچا اور میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں بنائی گئی ہے۔

اے میرے دوستو! یقینا کامیاب وکامران اہل تقوی اور ہدایت والے ہی ہیں، جن کا دل مسجدوں سے معلق ہوتا ہے، جو نماز کی طرف سبقت کرنے والے ہوتے ہیں، جو تاریکیوں میں چلنے والے ہوتے ہیں، جو کامیابی وفلاح کی دعوت دینے والے۔ نماز کی طرف اور کامیابی کی طرف آؤ۔ کی دعوت پر لبیک کہنے والے ہوتے ہیں، جو سبقت کرنے والے اور پہلی صف میں حاضری دینے والے ہوتے ہیں، جو امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ میں شامل ہونے والے ہوتے ہیں۔

اللہ کے بندو: نماز کے لئے جلدی نکلنا پھر اس کا انتظار کرنا اور اس سے پہلے ذکر واذکار کرنا، قرآن کی تلاوت کرنا خیر وسعادت کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، اور تنگی وپریشانی نیز غم وفکر کو دور کرنے کا سب سے بڑا سبب ہے۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے انھوں نے کہا کہ نبی کریم نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ تہجیر میں کتنا ثواب ہے تو اس میں وہ ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کی کوشش کرتے، امام نووی رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے کہ تہجیر کا معنی کسی بھی نماز کے لئے جلدی اور پہلے سے نکلنا ہے۔

اللہ آپ کی حفاظت فرمائے، یہ جان لیجئے کہ جب نماز کی محبت کسی کے دل کے اندر جاگزیں ہوجاتی ہے تو وہ اس سے زیادہ لذیذ حلاوت اور شیرینی کسی دوسری چیز میں نہیں پاتا ہے، اہل علم کا کہنا ہے کہ حضور قلب کا ذریعہ غم وفکر ہے، اسی وجہ سے جب کبھی بھی تم کو غم وفکر لاحق ہوگا تو تمھارا دل حاضر ہوگا۔

اور جب دل خوف وخشوع سے پر ہوتا ہے تو اس کا اثر اعضاء اور جوارح پر پستی، انکساری، ادب، اور سکون کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، اور اسے اس ذات کی جلال وعظمت کا احساس ہوتا ہے جس کے سامنے وہ کھڑا ہوتا ہے، اور وہ نماز ادا کرتے ہیں اس حال میں کہ وہ جو کچھ پڑھتے ہیں اس کو جانتے ہیں، اور وہ نماز پڑھتے ہیں درانحالیکہ ان کے دل اپنے رب کی ذکر سے مطمئن ہوتے ہیں۔

اور ابن الجوزی رحمہ اللہ کے باریک اور لطیف عبارتوں میں سے ایک یہ ہے کہ جسے اجروثواب کی نعمت وفضل کا ادراک ہوگیا تو اس کے لئے مشقت ومصیبت آسان وہلکی ہوگئی۔

اے اللہ کے بندو: اللہ تمھارا نگہبان ہو جان لو کہ نماز کے لئے جلدی کرنا اور اس میں سبقت لے جانا حضور قلب، خضوع وخشوع اور اللہ کی طرف اچھی توجہ کے لئے مددگار ہے، اور صبح وشام کی مشروع دعاؤں اور ذکرواذکار کی ادائیگی میں معاون ہے، اسی طرح اللہ کے ساتھ تنہائی، یکسوئی اور مناجات میں مددگار ہے، اور اللہ کی نعمتوں اور اس کی نشانیوں وآیتوں میں غوروفکر کرنے میں معادن ہے۔

حدیث میں ہے کہ اذان اور اقامت کے درمیان کی دعا رد نہیں کی جاتی ہے، یہ روایت ابوداود کی ہے، ترمذی نے اس کو حسن قرار دیا ہے۔

مبارکبادی ہے اس نیک وصالح بندہ کے لئے جو نماز کے لئے جلدی نکلتا ہے، اس میں سبقت کرتا ہے، اور جس کے اوپر سکون واطمینان اور وقار کا غلبہ ہوتا ہے۔ پیارے نبی کا فرمان ہے کہ جس نے ظہر سے پہلے اور اس کے بعد چار رکعت سنت ادا کی تو اللہ اس کے اوپر جہنم کو حرام کردیتا ہے۔ یہ روایت اہل سنن کی ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے عصر سے پہلے چار رکعت سنت پڑھی۔ یہ روایت ابوداود اور ترمذی کی ہے اور اس کو ترمذی نے حسن قرار دیا ہے۔

اور کیا کبھی تم نے کسی کو اس شخص سے زیادہ خوش نصیب اور امید رکھنے والا پایا ہے جو نماز کے لئے جلدی کرتا ہے تاکہ وہ اذان واقامت کے درمیان رواتب سنتوں اور نوافل کو ادا کرسکے۔

حضرات! نماز کے لئے سبقت کرنا اور جلدی نکلنا یہ نماز کی تعظیم، توقیر، محبت، اور دل کا نماز کے ساتھ تعلق کی دلیل ہے، اور اس میں نماز ادا کرکے اللہ کے گھروں کو آباد کرنا ہے۔

نماز کے لئے جلدی نکلنے والا اور اس میں سبقت لے جانے والا ایک ایسا مقابلہ ومسابقہ کرنے والا شخص ہے جو نبی کے اس فرمان میں ذکر کئے گئے لوگوں میں شامل ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہوجائے کہ اذان اور پہلی صف میں کتنا زیادہ اجروثواب ہے، پھر اگر ان کو اس کے لئے قرعہ اندازی کرنا پڑے تو وہ قرعہ اندازی کریں گے۔ یہ

روایت بخاری ومسلم کی ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ یقینا اللہ اوراس کے فرشتے مقدم صف پر رحمت ودعا کرتے ہیں۔اور ایک لفظ میں مقدم کے بجائے اول کا لفظ آیا ہے۔یہ روایت نسائی اور ابن ماجہ کی ہے اوراس کو البانی نے صحیح قرار دیا ہے۔

اور امام احمد کی روایت میں آیا ہے کہ پیارے نبی پہلی صف کے لئے تین بار اور دوسری صف کے لئے ایک بار مغفرت طلب کرتے تھے۔

اللہ کے بندو! جان لیجئے کہ نماز کا انتظار کرنے والا لگا تار وبرابر نماز میں ہی ہوتا ہے جب تک کہ وہ منتظر نماز ہے، کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ وہ شخص نماز میں ہوتا ہے جب تک کہ نماز اس کو روکے ہوئے ہے، اور صرف نماز ہی اس کو اپنے اہل وعیال کی طرف جانے سے مانع ہے۔بخاری ومسلم۔

نماز کا انتظار کرنے والا: اس کے لئے اللہ کے فرشتے دعائیں کرتے ہیں، اس کے لئے رحمت ومغفرت طلب کرتے ہیں جب تک وہ اپنے مصلی پر باقی رہتا ہے، اوراس کا وضو نہیں ٹوٹتا ہے یا وہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا ہے، جیسا حدیث میں وارد ہوا ہے کہ فرشتے تم میں سے ہر کسی کے لئے دعائیں کرتے ہیں جب تک کہ وہ اپنے مصلی میں باقی رہتا ہے بشرطیکہ اس کا وضو باقی ہو، فرشتے دعا میں کہتے ہیں کہ اے اللہ اس کو بخش دے، اے اللہ اس کو بخش دے، اے اللہ اس کو بخش دے، اے اللہ اس پر رحم کر۔یہ روایت بخاری ومسلم کی ہے۔اور بخاری میں یہ اضافہ ہے کہ جب تک اس کا وضو نہ ٹوٹے اور نہ کسی کو تکلیف پہونچائے۔

برادران اسلام! نماز کا انتظار کرنا گناہوں کو مٹانے اور درجات کی بلندی کا سبب ہے، بلکہ وہ بلا شبہ سرحدوں پر پڑاؤ ڈالنا ہے، اللہ کے نبی نے اپنے صحابیوں سے پوچھا کہ کیا تمھیں ایک ایسی چیز نہ بتلاؤں جس کے ذریعہ اللہ گناہوں کو مٹاتا اور درجات کو بلند کرتا ہے، صحابہ کرام نے جواب میں عرض کیا کہ ہاں اللہ کے رسول ضرور بتلایئے، آپ ﷺ نے جواب دیا کہ ناپسندیدگی کے باوجود مکمل طور سے وضو کرنا، اور مسجدوں کی طرف بکثرت چلنا، اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا یہ ایسی چیزیں ہیں جو سرحدوں پر پڑاؤ ڈالنا ہے جو سرحدوں پر پڑاؤ ڈالنا ہے۔یہ مسلم کی روایت ہے۔

اور اللہ کے فرشتے جمعہ کے دن مسجد کے دروازوں پر رجسٹر کے ساتھ موجود ہوتے ہیں، اور ترتیب وار داخل ہونے والوں کا نام لکھتے رہتے ہیں لیکن جب امام خطبہ کے لئے منبر پر بیٹھ جاتا ہے تو وہ رجسٹر بند کردیتے ہیں اور ذکر سننے لگتے ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں جمعہ کے دن صبح سویرے اور جلدی نکلنے پر ابھارا گیا ہے، اور جمعہ کی فضیلت اور اس کے علاوہ کسی بھی چیز کی فضیلت میں لوگوں کا مرتبہ اور درجہ ان کے اعمال کے اعتبار سے ہوتا ہے، لہذا مبارکبادی ہے، پھر مبارکبادی ہے ان لوگوں کے لئے جن کا نام فرشتوں نے صبح سویرے اور جلدی نکلنے والوں کے رجسٹر میں درج کرلیا، اور افسوس ہے ان لوگوں پر جن سے فرشتوں نے اپنا رجسٹر بند کردیا اور وہ پیچھے رہنے والوں میں سے ہوگئے۔

حضرت علقمہ کا کہنا ہے کہ ہم لوگ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ جمعہ کے لئے نکلے، تو انھوں نے پایا

کہ تین لوگ ان سے پہلے مسجد پہونچ چکے ہیں، یہ دیکھ کر وہ گویا ہوئے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بلاشبہ لوگ قیامت کے دن اللہ تعالی کے پاس نماز جمعہ کے لئے نکلنے کے حساب سے بیٹھیں گے یعنی جو پہلے نکلے گا وہ پہلے بیٹھے گا پھر دوسرا اور پھر تیسرا، بعد ازاں عبداللہ نے کہا پھر چوتھا، اور چوتھا زیادہ دوری پر نہیں ہے۔ یہ روایت ابن ماجہ اور طبرانی کی ہے اور اس کو ترمذی و بوصیری نے حسن قرار دیا ہے۔

لیکن اے مسلمانو!

جہاں تک اس منافست، مقابلہ اور جلدی نکلنے کے سلسلے میں سلف کے اقوال اور ان کے احوال کا سوال ہے تو وہ بہت ہی قابل تعجب اور حیرت انگیز ہے، سعید بن زید کہتے ہیں کہ چالیس سال سے جب بھی مؤذن نے ظہر کے نماز کی اذان دی ہے تو میں مسجد میں رہا ہوں الا یہ کہ میں بیمار یا سفر میں ہوں۔

اور یحیی بن معین یحیی بن سعید سے نقل کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ چالیس سال سے مسجد میں زوال ان سے فوت نہیں ہوا ہے یعنی زوال ہمیشہ ان کے مسجد پہونچنے کے بعد ہوا ہے، اور حضرت سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ پچاس سال ہو گئے لیکن مجھ سے تکبیر اور اذان کبھی فوت نہیں ہوئی، اور میں نے پچاس سال سے نماز میں کسی کی گدی یا پشت نہیں دیکھی ہے، اور ابن سعید سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ تیس سال سے میں نے اپنے گھر میں اذان کی آواز نہیں سنی ہے، اور وکیع بن جراح کہتے ہیں کہ حضرت اعمش کی عمر تقریبا ستر سال تھی لیکن ان سے تکبیر تحریمہ فوت نہیں ہوئی۔

ابن سماعہ کہتے ہیں کہ چالیس سال گذر گئے لیکن مجھ سے پہلی تکبیر صرف اس دن فوت ہوئی جس دن میری والدہ کا انتقال ہوا تھا۔

حضرت سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ اقامت سے پہلے حاضر ہونا یقینا یہ نماز کی توقیر اور اس کا احترام ہے، اور حضرت ابرہیم بن میمون جو پیشہ سے سنار تھے اور ثقہ محدثین میں سے تھے ان کے بارے میں ابن معین نے لکھا ہے کہ جب وہ اپنا ہتھوڑا اوپر اٹھاتے اور ان کے کان میں اذان کی آواز پڑتی تو پھر اس کو دوبارہ نیچے نہیں کرتے تھے۔

اور حضرت سفیان بن عیینہ کے نماز کے لئے اذان سے پہلے حاضر ہونے، اور اس کے لئے جلدی نکلنے پر ابھارنے کے سلسلے میں انوکھی اور دلچسپ باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ بُرے بندہ کی طرح مت ہو جو نماز کے لئے اذان دینے پر حاضر ہوتا ہے، بلکہ اذان سے پہلے نماز کے لئے حاضر ہو۔

اور حضرت معاذ بن جبل نے اپنے بیٹے کو جو نصیحت اور موعظت کی تھی ذرا اس پر غور فرمایئے، انھوں نے اپنے بیٹے سے کہا تھا کہ اے میرے بیٹے جب بھی نماز ادا کرو تو اسے الوداعی اور آخری نماز کی طرح ادا کرو، اور یہ قطعا نہ سوچو کہ تم دوبارہ اس کی طرف لوٹو گے۔

ہاں- اللہ تعالی آپ سب کا نگہبان ہو- بلا شبہ الوداعی نماز کا بہت زیادہ اثر انسان کے کان، نگاہ، چلنے پھرنے اور حرکت وسکون پر ظاہر ہوتا ہے بلکہ وہی جنت اور جلد حاصل ہونے والی نعمت ہے، اور یہ ایک بہت بڑا مطلب ومقصد ہے جس

کے لئے اتنی ہی بڑی ہمت اور زندہ دل درکار ہے، جو اپنے مالک ومولا کی اطاعت وفرماں برداری کو اپنی خواہشات اور دنیا پر مقدم کرے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اپنے فضل وکرم سے اس عظیم نعمت سے محروم نہ کرے۔ میں اللہ کے ذریعہ شیطان مردود سے پناہ مانگتا ہوں ((اس کے نور کی طرف ہدایت پانے والے) ان گھروں میں پائے جاتے ہیں جنہیں بلند کرنے کا اور جن میں اپنے نام کی یاد کی اللہ نے اجازت دی ہے، ان میں ایسے لوگ صبح وشام اس کی تسبیح کرتے ہیں جنہیں تجارت اور خرید وفروخت اللہ کی یاد سے اور اقامت نماز وادائے زکاۃ سے غافل نہیں کردیتی، وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل الٹنے اور دیدے پتھرا جانے کی نوبت آجائیگی، اور وہ یہ سب کچھ اس لیے کرتے ہیں تاکہ اللہ ان کے بہترین اعمال کی جزا ان کو دے اور مزید اپنے فضل سے نوازے، اور اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب روزی عطا کرتا ہے (نور/ ۳۸-۳۶)

دوسرا خطبہ:

ہر طرح کی تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے جناتوں اور انسانوں کی تخلیق فرمائی تاکہ وہ اس کی عبادت کریں، اور جس نے ان پر اپنی نعمتوں کا دریا بہایا تاکہ وہ اس کا شکریہ ادا کریں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود حقیقی نہیں ہے، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے، اور یہ گواہی خوف ورجاء، ڈر وامید کی گواہی ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے آقا اور نبی محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں لہذا ان کی بات مانو اور اطاعت کرو، اللہ کی رحمت وسلامتی اور برکت کا نزول ہو آپ پر اور آپ کے اہل خانہ پر اور آپ کے صحابیوں پر اور ان سب پر جنھوں نے احسان کے ساتھ ان کی اتباع کی، اور ان سب پر قیامت کے دن تک بکثرت اور بہت زیادہ سلامتی ہو۔

حمد وصلاۃ کے بعد:

اے مسلمانو! یہ کل پانچ نمازیں ہیں جس نے ان کی حفاظت کی، ان پر مداومت اور پابندی کی تو وہ اس کے لئے قیامت کے دن روشنی، برہان اور نجات کا ذریعہ ہوں گی، لیکن جس نے ان کی حفاظت نہیں کی تو نہ وہ اس کے لئے روشنی ہوں گی اور نہ ہی برہان اور نجات کا ذریعہ بلکہ وہ قیامت کے دن قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔

لہذا اے مسلمانو: اللہ سے ڈرو، کمر کس لو، سبقت کرو اور نماز ادا کرو اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہوئے خشوع وخضوع عاجزی وذلت کے ساتھ جیسا کہ حسن بصری رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ جب نماز کے لئے کھڑے ہو تو عاجزی اور خضوع کے ساتھ کھڑے ہو جیسا کہ اللہ کا حکم ہے، اور بھول وغفلت سے بچو، اللہ کی نظر تمھارے اوپر ہے جبکہ تمھاری نظر دوسرے کی طرف ہے۔

اور اب یہ جان لیجئے۔ اللہ تعالیٰ آپ سب پر رحم فرمائے۔ کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمارے ملک حرمین شریفین مملکت سعودی عرب پر بہت زیادہ احسانات کئے ہیں اور بڑی بڑی نعمتوں سے نوازا ہے، اور اصلاح، نیز تعمیر وترقی کے میدان میں بڑی بڑی کارکردگیوں کی توفیق بخشی ہے، ان خراب حالات، لڑائیوں، فتنوں اور ہنگاموں کے باوجود جو اس علاقہ کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے ہیں۔

بنابریں اللہ کی تعریف ہے، اس کی ثناء ہے اس امن، خوشحالی، پائیداری، اتفاق واتحاد اور حکومت وقوم کے درمیان

تعاون وہم آہنگی پر۔

یہ ایک اچھا ملک ہے جو سب کے لئے بھلائی وخیر پسند کرتا ہے، اور دین، حق، عدل، اور سلامتی کی حمایت وتائید کے لئے سب کے ساتھ تعاون کرتا ہے۔

اس ملک کے سربراہ نے-اللہ ان کی حفاظت فرمائے اور ان کو عزت دے- کتنی بار رہنمائی کی اور کتنی بار ندا دی، اور لوگوں کو ایک کلمہ پر جمع کرنے نیز دہشت گردی کے بڑھتے ہوئے خطرات سے متنبہ کرنے کے لئے تجاویز وافکار پیش کرنے میں پہل کی، بلکہ انھوں نے انسداد دہشت گردی کے ایک بین الاقوامی مرکز کے قیام کی گہار لگائی، کیونکہ ان کو اس بات کا بخوبی علم تھا کہ اس خطرناک وباء کا مقابلہ کرنا بہت ہی اہم وضروری ہے جو کہ پوری دنیا کے تمام مذاہب، مسلکوں، ملکوں اور علاقوں کے لئے ایک سنگین خطرہ ہے، اور انھوں نے برابر ولگاتار اپنی بابرکت کوششیں جاری رکھیں جن کا مقصد اس خطہ کو محفوظ رکھنا اور پائیدار بنانا تھا، نیز اپنے دینی بھائیوں کو لڑائی، جھگڑوں اور فتنوں کے شر سے محفوظ رکھنا تھا۔

ہاں ہمارا یہ ملک ایک اچھا وبہترین ملک ہے جس کی بنیاد اسلام، صحیح عقیدہ اور سلامتی منہج پر قائم ہے، جہاں اللہ کی کتاب اور اس کے رسول محمد کی سنت نافذ العمل ہے، اور جہاں سلف صالحین کے منہج اور طریقہ کی اتباع کی جاتی ہے۔

اور سلف صالحین کا منہج اللہ، اس کے رسول، حکمرانوں، رعایا اور امت کے ساتھ سچائی اور صدق پر مبنی ہے، ایک ایسے معتدلانہ روش کے ساتھ جس میں ناہی غلو ہے اور ناہی تفریط، ناہی زیادتی ہے اور ناہی کمی۔

یاد رکھئے کہ منہج سلف عمل کرنے اور پابندی کرنے کا نام ہے، وہ محض کوئی زبانی دعوی نہیں ہے، اس کے اندر ایسی جماعتوں کا وجود نہیں ہے جو ایک دوسرے کو بدعتی قرار دیتی ہیں یا ایک دوسرے پر لعنت بھیجتی ہیں یا کافر قرار دیتی ہیں، سلف کا منہج پارٹی بندی کرنے، کافر قرار دینے، تشدد اور دھماکہ کرنے کا منہج نہیں ہے، بلکہ وہ ایک ایسا منہج اور طریقہ ہے جو کتاب وسنت کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہے، اور جو ربانی ثقہ معتمد اور قابل بھروسہ علماء کی طرف رجوع کرتا ہے، جو فوائد ونقصانات، خرابیوں اور اچھائیوں کو اچھی طرح سے سمجھتے ہیں، اور ان کے درمیان مقارنہ اور تقابل کرنے کو اچھی طرح سے جانتے ہیں۔ ان کی داڑھیاں طلب علم اور حصول تعلیم میں سفید ہوئی ہیں، اور جن کے پشت درس وتدریس میں خم ہوئے ہیں۔

یہ ثقہ اور معتمد علماء ہیں، ماہر فن اور حجت ہیں جو باطل پر خاموش نہیں رہتے ہیں بلکہ سچائی اور اخلاص کے ساتھ زبانی اور تحریری طور پر چھپے اور کھلے میں نصیحت کرتے ہیں، لیکن لوگوں پر برائی اور شر کا دروازہ نہیں کھولتے ہیں تاکہ حرمتوں کو حلال نہ سمجھا جائے، خون نہ بہایا جائے اور اعتماد ختم نہ کیا جائے۔

اور اپنی نصیحت کو قبول نہ کرنے پر اسے بغاوت، تشدد، اور لوگوں کو بھڑکانے کا ذریعہ نہیں بناتے ہیں چہ جائیکہ اس کی وجہ سے کسی کو کافر قرار دیں یا دھماکہ کریں، اللہ تعالی ان سے، ان کے علم اور ان کے اچھے منہج کے ذریعہ زمانہ کو فتنوں اور برائیوں سے محفوظ رکھتا ہے، اور ان کے مسلک، فقہ وفہم اور ہوشیاری سے سکون واطمینان اور پائیداری رواج پاتا ہے۔

✦✦✦

ولیمہ

محمد اسلم مبارک پوری

اللہ تعالی نے اسلامی شریعت میں خاندانی نظام کو غیر معمولی خوبیوں کے ساتھ مرتب ومنظم فرمایا ہے، وہ ایسا جامع اور مکمل ہے جس پر عمل پیرا ہونے والوں کو ہر طرح کی راحت وسعادت نصیب ہوتی ہے۔ چنانچہ شادی بیاہ کے جہاں کئی حقوق ہیں ایک حق یہ بھی ہے کہ زوجین کی شادی کے زریں موقع پر ولیمہ کا بھی اہتمام کیا جائے۔ درج ذیل ولیمہ کے تعلق سے ایک تحریر پیش خدمت ہے۔

۱-ولیمہ کا معنی ومطلب:

ولیمہ ''ولم'' سے مشتق ہے، جس کا معنی ہے: جمع ہونا اور اکٹھا ہونا۔

شادی بیاہ کے موقع پر جو کھانا تیار کیا جاتا ہے، اسے ولیمہ کہا جاتا ہے۔ (معجم الصحاح، ص:۱۱٦)

ملخص فقہی (۲/۳٦۳) میں ڈاکٹر صالح الفوزان حفظہ اللہ لکھتے ہیں: ولیمہ کے لغوی معنی ہیں: کسی شے کا مکمل ہونا اور اس کا جمع ہونا، شادی کے موقع پر کھانا کھلانے کو ولیمہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ شادی کے سبب مرد وعورت اکٹھا ہوتے ہیں۔

لغت عرب اور فقہاء کی اصطلاح میں مرد کی طرف سے شادی کے موقع پر کھانا کھلانے کو ولیمہ کہا جاتا ہے۔

مختصر فقہ اسلامی (۲/۸۹۱) میں ہے:

شادی کے وقت جو کھانا کھلایا جائے اسے ولیمہ کہتے ہیں۔

۲-ولیمہ کے بارے میں رسول ﷺ کا طرز عمل:

ولیمہ کرنا نبی کریم ﷺ کی سنت ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی تمام شادیوں میں ولیمہ کا اہتمام کیا ہے۔ اس سلسلہ میں درج ذیل احادیث ملاحظہ فرمائیں:

۱-"ما أولم رسول الله ﷺ على شئ من نسائه ما أولم على زينب، أولم بشاة" (بخاری: ۵۱۸٦، مسلم: ۹۰/ ۱۴۲۸) نبی ﷺ نے اپنی بیویوں میں سے کسی کا اتنا ولیمہ نہیں کیا جتنا حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا کیا، آپ نے ایک بکری ذبح کر کے ولیمہ کیا تھا۔

۲-حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: "أن النبي ﷺ أولم على صفية بسويق وتمر" (ابوداود: ۳۷۴۴، ترمذی: ۱۰۹۵، یہ روایت صحیح ہے۔ صحیح الترمذی: ۸۷۵) نبی ﷺ نے حضرت صفیہ کی شادی کے موقع پر ستو اور کھجور کا ولیمہ کیا۔

۳-حضرت صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ: "أولم النبي ﷺ على بعض نسائه بمدين من

شعیر"(بخاری:۵۱۷۲) نبی ﷺ نے اپنی بعض بیویوں (یعنی ام سلمہ رضی اللہ عنہا) کا ولیمہ دو مد جو کے ساتھ کیا۔

یہ حدیثیں نبی اقدس ﷺ کے تعلق سے ہیں۔آپ ﷺ نے ولیمہ کے تعلق سے امت کو کیا پیغام دیا ہے، تو اس بارے میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی شادی کے متعلق حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: "أن النبي ﷺ رأى على عبدالرحمن بن عوف أثر صفرة، فقال: ما هذا؟ فقال: إني تزوجت إمرأة على وزن نواة من ذهب، فقال: بارك الله لك، أولم ولو بشاة"(بخاری:۵۱۵۳،۵۱۵۵،مسلم:۹/۷۔۱۴۲۷) نبی ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے اوپر زرد نشان دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے ایک عورت سے ایک گٹھلی کے مساوی سونا دے کر نکاح کیا ہے۔آپ نے فرمایا: اللہ تجھے برکت دے، ولیمہ ضرور کرو، خواہ ایک بکری ہی ہو۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے یہ شادی کتنی سادگی سے کی کہ آپ ﷺ -فداہ ابی وامی- تک کو خبر نہ دی، بلکہ آپ ﷺ نے کپڑے پر زرد رنگ لگا ہوا دیکھا تو پوچھنے پر معلوم ہوا کہ شادی ہوئی ہے۔آپ نے انہیں مبارک بادی دی اور ولیمہ کی بابت ارشاد فرمایا:"أولم ولو بشاة"ضرور ولیمہ کرو، خواہ ایک بکری ہی ہو۔

اس حدیث پر امام بخاری نے یہ باب قائم کیا ہے:"الوليمة حق" ولیمہ کرنا حق ہے، یہاں ''حق'' سے مراد ''وجوب'' ہے۔ان کی تبویب یہ ہے:"باب حق إجابة الوليمة والدعوة"ولیمہ کی دعوت اور ہر ایک دعوت کو قبول کرنا حق (یعنی واجب) ہے۔(بخاری مع فتح الباری۹/۲۴۰)

نیز اس حدیث میں ''أولم'' امر کا صیغہ ہے، اور امر کا صیغہ اصلاً وجوب پر دلالت کرتا ہے جبکہ کوئی قرینہ نہ ہو، اور یہاں کوئی قرینہ نہیں ہے۔امام شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:"ظاهر الأمر الوجوب"(نیل الأوطار:۶/۵۹۳) حدیث کا ظاہری حکم وجوب پر دلالت کرتا ہے اور یہی شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کا خیال ہے۔(آداب الزفاف، ص:۱۴۴)

وجوب کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو امام احمد بن حنبل نے مسند (۵/۳۵۹) میں روایت کیا ہے: "لابد للعرس من وليمة"(شادی میں ولیمہ ضروری ہے) حافظ ابن حجر نے فتح الباری شرح بخاری (۹/۲۳۰) میں اس کی سند کے بارے میں کہا:"سنده لا بأس به" اس کی سند میں کوئی گڑبڑی نہیں ہے۔نیز دیکھیں: (نیل الأوطار ۶/۵۹۳)۔

نبی ﷺ کے عمل اور قول سے معلوم ہوا کہ شادی کے موقع پر ولیمہ کرنا واجب ہے۔

۳-ولیمہ کب کیا جائے؟

بخاری: ۳۷۱،۵۱۵۹، مسلم: ۱۳۶۵، میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے خیبر اور مدینہ کے درمیان تین دن تک قیام کیا:"ينبى عليه بصفية، فدعوت المسلمين إلى وليمته" آپ ﷺ نے حضرت صفیہ سے اس مقام پر شب باشی کی تو میں نے مسلمانوں کو آپ ﷺ کے ولیمہ کی دعوت دی، اس دعوت میں نہ روٹی تھی نہ گوشت (موطا مالک ۲/۴۳۰، یہ روایت صحیح ہے) اس تقریب میں بس یہی تھا کہ آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق چٹائیاں بچھا دی گئیں اور

دستر خوان پر کھجوریں، پنیر اور مکھن چن دیا گیا، یہی آپ ﷺ کا ولیمہ تھا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ولیمہ شب زفاف کے بعد کرنا چاہئے۔اس کی مزید وضاحت کے لیے انس رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت پیش خدمت ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

"لما فتح الله عليه الحصون، ذكر له جمال صفية بنت حيي بن أخطب، —وقد قتل زوجها، وكانت عروسا— فاصطفاها رسول الله ﷺ لنفسه، فخرج بها حتى بلغنا سد الصهباء، حلت، فبنى بها، ثم صنع حيسا فى نطع صغير، ثم قال رسول الله ﷺ: آذن من حولك، فكانت تلك وليمة رسول الله ﷺ على صفية" (بخاری: ۲۸۹۳) جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو قلعۂ خیبر کی فتح عطا کی تو آپ کے سامنے صفیہ بنت حی بن اخطب کی ظاہری و باطنی خوبصورتی کا ذکر کیا گیا، ان کا شوہر لڑائی میں قتل کیا گیا، اور وہ ابھی دلہن ہی تھیں۔(اور چونکہ قبیلہ کے سردار کی لڑکی تھیں) اس لیے رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنے لیے پسند فرما لیا۔ پھر آپ انہیں وہاں سے ساتھ لے کر چلے۔جب ہم سد الصہباء مقام پر پہنچے تو وہ حیض سے پاک ہوئیں، تو آپ نے ان سے خلوت کی اس کے بعد آپ نے حیس (کھجور، پنیر اور گھی سے تیار کیا ہوا کھانا) تیار کرا کے ایک چھوٹے سے دستر خوان پر رکھوایا، اور مجھ سے فرمایا: اپنے آس پاس کے لوگوں کو دعوت دے دو، یہی آپ ﷺ کا حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ولیمہ تھا۔

اس حدیث کے بارے میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: وفي حديث أنس عند البخاري وغيره التصريح بأنها بعد الدخول" (فتح الباری: ۹/ ۲۳۱) بخاری وغیرہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں صراحت ہے کہ ولیمہ دخول (میاں بیوی کے ملاپ) کے بعد ہوگا۔ نیز لکھتے ہیں: "المنقول من فعل النبي ﷺ أنها بعد الدخول" (فتح الباری: ۹/ ۲۳۱) نبی ﷺ کے فعل سے منقول ہے کہ ولیمہ دخول کے بعد ہی ہوگا۔ یہی ولیمہ کا صحیح وقت ہے۔(اتحاف الکرام ۲/ ۱۶۸۲ اردو، آداب الزفاف، ص: ۱۴۴) اور علماء کے قول کے مطابق افضل ہے تاہم دخول سے پہلے ولیمہ کرنا جائز ہے۔ کیوں کہ ولیمہ کے لیے دخول شرط نہیں ہے۔ ڈاکٹر صالح فوزان حفظہ اللہ لکھتے ہیں: "ووقت إقامة وليمة العرس موسع، يبدأ من عقد النكاح إلى انتهاء أيام العرس" (ملخص فقہی ۲/ ۳۶۴) شادی کا ولیمہ کرنے کا وقت وسیع ہے۔ عقد نکاح سے لے کر شادی کے ایام ختم ہونے تک ہے۔

۴-ولیمہ کیسا ہو؟

سابقہ احادیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ولیمہ حسب حال کرنا چاہئے، کسی تکلف کا اہتمام نہیں کرنا چاہئے، (مسند احمد ۵/ ۴۴۱، یہ روایت لائق تحسین ہے، حاکم نے مستدرک ۴/ ۱۲۳ میں صحیح کیا ہے، اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے) آپ ﷺ نے ولیمہ میں بکری بھی ذبح کی، ستو اور کھجور بھی کھلایا، اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ولیمہ میں صرف دو مد جو (سوا سیر جو) پر اکتفا کیا۔لہٰذا مستحب یہ ہے کہ شوہر کی مالی حیثیت اور حالت کے مطابق ہونا چاہئے۔

قاضی عیاض نے اس پر اجماع نقل کیا کہ ولیمہ میں کمی بیشی کی کوئی قید نہیں ہے بلکہ حسب ضرورت اور حسب توفیق

ولیمہ کا کھانا پکایا جا سکتا ہے، خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ۔ (نیل الأوطار: ۴/ ۲۶۰)

ولیمہ میں ایک سے زائد اشیاء بھی جائز ہیں۔ البتہ اس میں اسراف وتبذیر سے بہرحال اجتناب ضروری ہے۔ بالخصوص اہل ثروت حضرات کو ایسی تقریبات میں ریا ونمود اور اسراف وتبذیر سے بچنا چاہئے۔ کیوں کہ عبدالرحمٰن بن عوف کی مالی حیثیت کے پیش نظر ایک بکری کا ولیمہ کرنا کم ہے جب کہ ان کا شمار مالدار صحابہ میں ہوتا تھا۔ دیکھیں: الاصابۃ فی تمییز الصحابہ (۲/ ۵۵۷)

۵- ولیمہ کی دعوت قبول کرنا کیسا ہے؟

ولیمہ کی دعوت قبول کرنا واجب ہے بالخصوص ایسی صورت میں جب تعیین کے ساتھ دعوت دی جائے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: "إذا دعي أحدكم إلى وليمة فليأتها" (بخاری: ۵۱۷۳) جب تم میں سے کسی کو ولیمہ کی دعوت دی جائے تو اسے (قبول کرتے ہوئے) شرکت کرے۔

مسلم (۱۰۰/ ۱۴۲۹) کے الفاظ ہیں: "إذا دعا أحدكم أخاه فليجب عرسا كان أو نحوه" جب تم میں سے کسی کو اس کا بھائی مدعو کرے تو اسے اس کی دعوت قبول کرنا چاہئے، خواہ وہ شادی کی دعوت ہو یا اسی طرح کی کوئی اور دعوت۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: "من لم يجب الدعوة فقد عصى الله ورسوله" (بخاری: ۵۱۷۷، مسلم: ۱۱۰/ ۱۴۳۲) جس نے دعوت ولیمہ قبول نہیں کیا، اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی ہے۔

ان احادیث کریمہ سے معلوم ہوا کہ ولیمہ کی دعوت قبول کرنا چاہئے اور بلا عذر شرعی اسے رد نہیں کرنا چاہئے۔

دعوت قبول کرنے والے شخص پر ضروری نہیں ہے کہ وہ کھانا تناول ہی فرمائے، بلکہ اس کی خواہش پر ہے: "فإن شاء طعم، وإن شاء ترك" (مسلم: ۱۰۵/ ۱۴۳۰) اگر چاہے تو کھالے، اگر چاہے تو چھوڑ دے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی سابقہ روایت نقل کرنے کے بعد امام دارمی اپنی سنن (۲/ ۱۹۲) میں لکھتے ہیں: "ليس الأكل عليه بواجب" دعوت قبول کرنے والے فرد پر کھانا ضروری نہیں ہے۔

اگر وہ روزے سے ہے تو کھانا کھلانے والوں کے لیے دعا کرنی چاہئے۔ ابوداؤد (۳۷۳۷) کی صحیح روایت میں ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "وإن كان صائما فليدع" اگر وہ روزے سے ہے تو داعی کے لیے دعا کرے۔ یہ روایت مسلم (۱۰۶/ ۱۴۳۱) میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، یہ اس وقت ہے جب وہ فرض روزہ ہو، اور اگر نفلی ہے تو روزہ توڑ کر تناول فرمالے۔

۶- غیر شرعی امور کی موجودگی میں دعوت میں شرکت کا حکم:

دعوت ولیمہ یا عام دعوت میں کوئی چیز خلاف شرع پائی جائے (مثلاً کھانا ہی مشتبہ ہو، یا مالداروں کو بالخصوص مدعو کیا گیا ہو، یا باطل کام میں تعاون کے لیے دعوت دی گئی ہو، یا غلط کام ہو رہا ہو جو ناپسندیدہ ہو، اور شرعاً منکر ہو، یا ناچ گانا ہو، ساز وسرود کی محفل ہو، اختلاط نسواں ہو، جام وجم اور ساغر مینا یا کسی اور طرح کی معصیت کے کام ہوں) تو ایسی دعوت قبول کرنا واجب

نہیں ہے، بلکہ اس کا انکار کر دینا ہی بہتر ہے۔ بالخصوص جب ان منکرات کے زائل کرنے کی طاقت نہ ہو۔ (الرسالة الفقهية لابن أبي زيد القيرواني، ص: ٦٩٥، كفاية الأخيار: ٢/٥٦٧، آداب الزفاف، ص: ١٦١)

کیوں کہ نبی ﷺ نے ایسے دسترخوان پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے جس پر شراب پیش کی جاتی ہے۔ (ترمذی: ۲۸۰۱، دارمی: ۲۰۹۲، یہ حدیث حسن ہے)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کھانا تیار کر کے رسول اللہ ﷺ کو دعوت دی "فجاء فدخل، فرأى سترا فيه تصاوير، فخرج" (نسائی: ۸/۲۱۳، صحیح ابن ماجہ: ۲۷۰۸) آپ ﷺ آئے اور گھر میں کچھ تصاویر دیکھ لیں تو واپس چلے گئے۔

سفینہ ابوعبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ ایک شخص نے علی رضی اللہ عنہ کی دعوت کی، اور ان کے لیے کھانا بنایا (اور بھیج دیا) تو فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: کاش ہم رسول اللہ ﷺ کو بلا لیتے، آپ بھی ہمارے ساتھ کھانا تناول فرما لیتے۔ چنانچہ انہوں نے آپ کو بلوایا، آپ تشریف لائے اور اپنا ہاتھ دروازہ کے دونوں پٹ پر رکھا تو کیا دیکھتے ہیں کہ گھر کے ایک کونہ میں ایک منقش پردہ لگا ہوا ہے (یہ دیکھ کر) آپ لوٹ گئے۔ فاطمہ نے علی سے کہا: جا کر ملیے اور دیکھئے آپ کیوں جا رہے ہیں؟

علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے آپ کا پیچھا کیا، اور پوچھا، اللہ کے رسول ﷺ، آپ کیوں واپس جا رہے ہیں، آپ نے فرمایا: "إنه ليس لي أو لنبي أن يدخل بيتا مزوقا" (ابوداود: ۳۷۵۵، یہ روایت حسن ہے) میرے لیے یا کسی نبی کے لیے یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی آرائش و زیبائش والے گھر میں داخل ہوں۔

اور اگر طاقت ہے تو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے ہوئے ان منکرات و خرافات کو زائل کرے۔

۷-کن لوگوں کو دعوت دینا چاہئے؟

ولیمہ کی دعوت بشمول اہل عیال، خویش و اقارب، دوست و احباب، فقراء و اغنیاء میں سے ایسے افراد کو دینی چاہئے جو متقی پرہیزگار اور اللہ سے ڈرنے والے ہوں۔ حدیث میں ہے: "لا تصحب إلا مؤمنا ولا يأكل طعامك إلا تقي" (ترمذی: ۲۳۹۵، ابوداؤد: ۴۸۳۲، احمد: ۳/۳۸، یہ روایت حسن ہے۔ هداية الرواة: ۴۹۴۵) صرف مومن سے دوستی کرو، اور تمہارا کھانا صرف پرہیزگار لوگ ہی کھائیں۔

صرف مالداروں کو دعوت دینے سے احتراز کرنا چاہئے۔ مؤطا مالک: ۲/۴۳۰، بخاری: ۵۱۷۷، اور مسلم: ۱۴۳۲/۱۰۷ میں ہے: "شر الطعام طعام الوليمة يدعى لها الأغنياء ويترك الفقراء" سب سے برا کھانا ولیمہ کا کھانا، جس میں مالداروں کو دعوت دی جائے اور فقیروں کو نظر انداز کر دیا جائے۔

یہ حدیث ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے، آج معاشرے میں دبے کچلے اور غریب طبقہ کے لوگوں کو قصداً نظر انداز کر دیا جاتا ہے، اگر کوئی فقیر و مسکین پہنچ گیا تو اسے کس طرح دھتکارا جاتا ہے، قلم اسے بیان کرنے سے عاجز ہے۔

۸-بغیر دعوت ولیمہ میں حاضری:

ترمذی: ۱۰۹۸، اور سنن دارمی: ۲۰۸۲ میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث میں ہے "ائتوا الدعوة إذا دعيتم"

جب تمہیں دعوت دی جائے تو دعوت کے لیے آؤ۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس کو دعوت دی جائے اسے دعوت میں شرکت کرنی چاہئے۔ جس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ جس کو دعوت نامہ نہیں ملا ہے اسے بنا بلائے دعوت میں شرکت نہیں کرنی چاہئے۔ اس بارے میں ابوداؤد: ۳۷۴۱ کی ایک ضعیف روایت میں ہے: "من دخل من غير دعوة دخل سارقا وخرج مغيرا" جو بغیر دعوت کے گیا، وہ چور بن کر داخل ہوا، اور لوٹ مار کر نکلا۔

ہاں طفیلی شخص کے لیے داعی سے اجازت لے لی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ بخاری: ۵۴۶۱، مسلم: ۱۳۸/ ۲۰۳۶، اور ترمذی: ۱۰۹۹ میں ابومسعود بدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابوشعیب نامی ایک آدمی نے اپنے گوشت بیچنے والے غلام سے کہا کہ پانچ لوگوں کے لیے کھانا بناؤ، میں نے رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ انور میں بھوک کا اثر دیکھا ہے۔ اس نے پانچ لوگوں کے لیے کھانا تیار کرلیا، پھر آپ ﷺ اور آپ کی نشست میں موجود لوگوں کو بلانے کے لیے بھیجا، جب آپ ﷺ آنے کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ کے ہمراہ ایک ایسا آدمی آنے لگا، جو دعوت کے وقت موجود نہ تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ داعی کے گھر آئے تو اس سے عرض کیا کہ ایک آدمی ہمارے ساتھ آ گیا ہے اور جس وقت تم نے دعوت دی تھی اس وقت وہ ہمارے ساتھ نہ تھا، اگر تم اسے اجازت دے دو تو ٹھیک ہے، اور داخل ہو جائے، داعی نے کہا: میں نے اسے اجازت دے دی ہے۔

۹- ولیمہ میں جو شرکت کرے وہ کیا دعا کرے؟

ایسے شخص کے لیے مستحب یہ ہے کہ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد دعوت دینے والے کے لیے دعائیں کرے جو نبی ﷺ سے مروی ہیں، ان میں سے بعض دعائیں یہ ہیں:

۱- اللهم بارك لهم فيما رزقهم واغفر لهم وارحمهم۔ (مسلم: ۲۰۴۲) اے اللہ ان کی روزی میں برکت دے اور ان کے گناہوں کو معاف کردے اور ان پر رحم کر۔

۲- اللهم أطعم من أطعمني واسق من سقاني۔ (مسلم: ۲۰۵۵) اے اللہ تو اس شخص کو کھلا جس نے مجھے کھلایا ہے، اور اسے پلا جس نے مجھے پلایا ہے۔

جو شخص ولیمہ میں حاضر ہو اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ میاں بیوی کے لیے خیر و برکت کی دعا کرے اور یہ کہے: "بارك الله لك، وبارك عليك وجمع بينكما في خير" (ابوداؤد: ۲۱۳۰، ترمذی: ۱۰۹۱، ابن ماجہ: ۱۹۰۵، یہ روایت صحیح ہے)۔ اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے اور تم دونوں کو خیر و بھائی میں جمع کردے۔

۱۰- ولیمہ کتنے دن جائز ہے؟

اس بارے میں نبی ﷺ سے قولاً کوئی چیز منقول نہیں ہے، بلکہ آپ ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا ولیمہ تین دن تک کیا ہے۔ (ابویعلی، حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔ فتح الباری ۹/۲۴۳)

امام بخاری نے اپنی صحیح ۹/۲۴۰ میں باب قائم کیا ہے: "باب حق إجابة الوليمة والدعوة ومن أولم سبعة

أيام ونحوه، ولم يؤقت النبيﷺ يوما ولا يومين" ولیمہ کی دعوت اور ہر ایک دعوت کو قبول کرنا حق ہے اور جس نے سات دن تک ولیمہ جاری رکھا، اور نبی ﷺ نے صرف ایک یا دو دن تک کچھ متعین نہیں فرمایا۔ اس باب کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے جو روایات نقل کی ہیں، وہ عام روایتیں ہیں، جو اجابت دعوت کے بارے میں ہیں، ان کا مستفاد یہ ہے کہ دعوت ولیمہ کی کوئی تحدید وتقیید نہیں ہے، اگر کوئی شخص یونہی یا بوجہ مجبوری یا کسی عذر شرعی کی بنا پر چار روز کے بعد ولیمہ کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔ ذخیرہ کتب میں اس کے متعلق ممانعت میرے علم کے متعلق موجود نہیں ہے، تاہم بہتر ہے کہ اپنی ذمہ داری سے سبک دوش ہونے میں جتنی جلدی ولیمہ ہو سکے کر دیا جائے۔ امام ابن ابی شیبہ نے مصنف: ۱۷۳۳۱ میں بسند صحیح حفصہ بنت سیرین سے روایت نقل کی ہے، وہ کہتی ہیں: "لما تزوج أبى دعا الصحابة إلى سبعة أيام، فلما كان يوم الأنصار دعا أبى بن كعب وزيد بن ثابت وغيرهما، فكان أبى صائما، فلما طعموا دعا أبى بن كعب وأمن القوم" جب میرے والد محترم نے شادی کی تو سات دن تک صحابہ کرام کو ولیمہ کے لیے مدعو کیا اور جب انصار کی باری آئی تو انہوں نے ابی بن کعب اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما وغیرہ کو بلایا، اس دن میرے والد روزہ سے تھے۔ جب ان لوگوں ولیمہ کھالیا تو میرے والد کے لیے ابی بن کعب نے دعا کی، اور بقیہ لوگوں نے آمین کہا۔

یہی روایت مصنف عبد الرزاق میں بھی مروی ہے، اس میں ۷ دن کے بجائے ۸ دن کا تذکرہ ہے۔ (بحوالہ فتح الباری: ۹/۲۴۲)

رہی وہ روایتیں جن میں تحدید کا ذکر ہے، تو وہ سب ضعیف ہیں، لائق اعتبار نہیں۔ (ترمذی: ۱۰۹۷، زوائد ابن ماجہ: ٦۴۰، الارواء: ۱۹۵۰، ضعیف الجامع: ٦۱٦۷)

۱۱- ولیمہ میں تعاون کرنا کیسا ہے؟

ولیمہ میں تعاون کرنا درست ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿تعاونوا على البر والتقوى﴾ (المائدہ: ۲) تقویٰ اور نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کرتے رہو۔ اس آیت کے بموجب اہل خیر اور مالدار حضرات کو چاہئے کہ ولیمہ کی تیاری میں اپنا دست تعاون دراز کریں۔ نیز آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: أعينوا أخاكم في وليمته" (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۷۳۲۹) ولیمہ میں اپنے بھائی کی مدد کرو۔

جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے شب باشی کی اور صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "من كان عنده شيء فليجئ به، وبسط نطعا فجعل الرجل يجئ بالأقط وجعل الرجل يجئ بالتمر وجعل الرجل يجئ بالسمن، فحاسوا حيسة فكانت وليمة رسول اللهﷺ" (مسلم: ۸۸/۱۳٦۵، نسائی: ٦/۱۳۳-۱۳۴، یہ الفاظ نسائی کے ہیں) جس کے پاس جو بھی ہوا سے لے آئے۔ راوی حدیث کہتے ہیں کہ آپ نے ایک چھوٹا دسترخوان بچھایا، صحابہ میں سے کوئی پنیر لاتا، کوئی کھجور لاتا، کوئی گھی لاتا، پھر سب ملا کر ایک قسم کا کھانا تیار کیا گیا، یہی نبی ﷺ کا ولیمہ تھا۔

☆☆☆

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سیرت

کا

ایک مختصر تحقیقی جائزہ

(قسط:۵) عبدالولی عبدالقوی/ داعی مکتب دعوۃ وتوعیۃ الجالیات، الحائط، سعودی عرب

(۱۵) عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد:

عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد تقریبا پچاس سال تک زندہ رہیں، لوگ آپ کے علم سے نفع اندوزی کرتے اور اپنی علمی تشنگی بجھاتے، لوگ دور دراز سے آتے، آپ سے شریعت کے مسائل دریافت کرتے اور آپ ان کا جواب دیتیں، مسلمانوں کے مختلف فیہ مسائل کا بہترین حل تلاش کرتیں، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

’’عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد تقریبا پچاس سال تک زندہ رہیں، انھوں نے آپ ﷺ سے شریعت کے بہت سارے احکام ومسائل یاد کئے، آپ ﷺ کے انتقال کے بعد لوگوں نے مائی عائشہ رضی اللہ عنہا سے بکثرت شریعت کے احکام وآداب سیکھے اور انھیں لوگوں تک پہنچایا یہاں تک کہ کہا جانے لگا کہ چوتھائی احکام شریعت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہیں‘‘۔ (فتح الباری ۷/ ۱۰۷)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ قمطراز ہیں:

’’چوں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نبوت کے آخری زمانہ دین کے مکمل ہونے تک رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہیں، چنانچہ آپ کے پاس علم وایمان کا وہ حصہ تھا جو نبوت کا ابتدائی زمانہ پانے والوں کے پاس نہ تھا، لہذا امت اوروں کے مقابل عائشہ رضی اللہ عنہا کے علم سے خوب نفع اندوز ہوئی اور انھوں نے دوسروں کے مقابل کتاب وسنت کے علم کو خوب عام کیا‘‘۔ (منہاج السنۃ النبویہ لابن تیمیہ ۴/ ۳۰۱)

جیسا کہ محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: عائشہ رضی اللہ عنہا ابوبکر، عمر، عثمان، علی اور معاویہ رضی اللہ عنہم کے دور خلاف میں فتوے دیتی رہیں یہاں تک کہ ان کا انتقال ہوگیا۔ (الطبقات الکبری لابن سعد ۲/ ۳۵۷، تاریخ دمشق لابن عساکر ۴۹/ ۱۶۵)

(۱۶) جنگ جمل اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی شرکت:

بروز جمعہ ۱۸/ ذی الحجہ سن ۳۵ ہجری کو عثمان رضی اللہ عنہ سبائی گروہ کے ہاتھوں شہید کردئے گئے، اب صحابہ کا اصرار تھا کہ علی رضی اللہ عنہ کو خلیفۃ المسلمین منتخب کیا جائے کیوں کہ ان کے علاوہ کوئی اور اس منصب کے لائق نہیں ہے، لوگوں کے

اصرار پر آپ نے بیعت قبول کرلی، آپ مسجد میں تشریف لائے، جسم پر چادر اور خز (بھیڑ کے اون کا بنا ہوا کپڑا) کا عمامہ تھا، ممبر پر چڑھے، تمام لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، یہ ۲۴/ ذی الحجہ سن ۳۵ ہجری جمعہ کا دن تھا، پھر آپ نے خلافت کے بعد پہلا خطبہ دیا۔

جب علی رضی اللہ عنہ کے دست مبارک پر بیعت خلافت منعقد ہوگئی اور طلحہ وزبیر سمیت اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اور اہل مدینہ نے بیعت کرلی، تو طلحہ وزبیر اور دیگر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ مطالبہ پیش کیا کہ قاتلین عثمان سے بدلہ لیا جائے اور ان پر شرعی حدود نافذ کئے جائیں، لیکن علی رضی اللہ عنہ نے یہ عذر پیش کیا کہ یہ چند لوگ نہیں ہیں بلکہ ایک بڑی تعداد ہے اور انھیں بہت سے لوگوں کی پشت پناہی بھی حاصل ہے، اس لئے یہ کام اسی دن انجام دینا ممکن نہیں ہے بلکہ حالات کے سازگار ہونے تک انتظار مناسب ہے کیوں کہ معاملہ میں جلد بازی ایک بڑا فتنہ کھڑا کرنے کا موجب ہوسکتی ہے جو سابقہ فتنہ سے بھی شدید تر ہو۔

علی رضی اللہ عنہ نے شہادت عثمان کو ہمیشہ غلط کہا اور ان کے خون سے بری الذمہ ہونے کی بات کی، وہ حلفا کہا کرتے تھے کہ انھوں نے قتل کیا نہ ان کے قتل کا حکم دیا نہ وہ اس طرف کبھی مائل ہوئے اور نہ آج وہ شہادت عثمان پر راضی ہیں۔

امام حاکم رحمہ اللہ نے شہادت عثمان کے حوالہ سے روایات بیان کرنے کے بعد کہا: ''اہل بدعت کا یہ دعوی کہ قاتلین عثمان کو علی رضی اللہ عنہ کی مدد حاصل تھی، سفید جھوٹ اور صریح بہتان ہے، متواتر روایات میں اس کے برعکس بیان موجود ہے''۔ (مستدرک حاکم ۳/۱۰۳)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شہادت عثمان رضی اللہ عنہ سے متعلق علی رضی اللہ عنہ کے خلاف ساری باتیں جھوٹ کا پلندہ ہیں اور ان کے خلاف بہتان طرازی کے سوا کچھ نہیں، علی رضی اللہ عنہ نہ تو شہادت عثمان میں شریک تھے نہ اس کا حکم دیا نہ وہ اس پر راضی تھے، خود وہ کہتے ہیں: اے اللہ! میں تیرے حضور خون عثمان سے براءت کا اظہار کرتا ہوں۔ (منہاج السنۃ ۴/ ۴۰۶ البدایۃ والنہایۃ ۷/۲۰۲)

بعض امہات المؤمنین سبائی فتنہ سے اجتناب کرتے ہوئے مکہ مکرمہ حج کے لئے روانہ ہوگئی تھیں اور شہادت عثمانی کے بعد علی رضی اللہ عنہ کی اجازت سے طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما بھی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ عمرہ کی غرض سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے جہاں عائشہ رضی اللہ عنہا موجود تھیں ان سے ان دونوں حضرات کی ملاقات ہوئی، مکہ میں ان کی یہ آمد ربیع الثانی سن ۳۶ ہجری شہادت عثمان کے تقریبا چار ماہ بعد ہوئی ابھی تک قاتلین عثمان کے خلاف کوئی انتقامی کاروائی نہ ہوسکی تھی، ان دونوں کی عائشہ رضی اللہ عنہا سے خروج کے لئے اہم بات چیت ہوئی، عائشہ رضی اللہ عنہا نے سوچا کہ مسلمانوں کے دلوں میں ان کی جو عزت وتوقیر ہے اس کے پیش نظر دونوں جماعتوں میں اصلاح کی غرض سے انھیں نکلنا چاہئے، چنانچہ وہ اللہ تعالی کے اس فرمان پر عمل کرتے ہوئے نکلیں:

﴿لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَن يَفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ أَجْراً عَظِيْماً﴾ (النساء:۱۱۴)

ان کے اکثر خفیہ مشوروں میں کوئی خیر نہیں، ہاں بھلائی اس کے مشورے میں ہے جو صدقہ وخیرات یا نیک بات یا لوگوں میں اصلاح کا حکم کرے اور جو رضائی الٰہی کی خاطر ایسا کرے گا ہم اسے یقیناً بہت بڑا ثواب دیں گے۔

ان کا کہنا تھا کہ کہیں خون عثمان ضائع نہ ہوجائے کیوں کہ ان کے خون کے ضیاع میں اللہ کی قدرت وطاقت کی توہین ہے، اگر اس قسم کے واقعات بند نہ ہوئے تو کسی بھی خلیفہ یا امام کو مارا جاتا رہے گا، لوگوں کے اعصاب پر اس قسم کا دباؤ یہی تقاضا کررہا تھا کہ عام لوگوں کو متحرک کیا جائے انھیں ان کی آرام گاہوں سے نکال کر باہر لا کھڑا کیا جائے تاکہ مسلمانوں کی ایک کثیر جماعت مطالبہ مذکورہ پر مجتمع ہوجائے تو اس صورت میں امید ہے کہ فریق ثانی بھی اس کی طرف توجہ کرے گا اور باہم توافق وتفاہم کی صورت پیدا ہوجائے گی۔

پھر باہمی مشورہ کے مطابق طلحہ وزبیر عائشہ رضی اللہ عنہا کو لے کر بصرہ آئے کیوں کہ وہاں فسادیوں کی قوت وطاقت زیادہ نہ تھی، اس لئے وہ وہاں رہ کر اپنے منصوبہ پر عمل کرسکتے تھے، ان کی دھن بس ایک ہی تھی وہ خون عثمان کا مطالبہ، اصلاح احوال، فسادیوں کے بارے میں لوگوں کو باخبر کرنا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔

بصرہ جاتے ہوئے عائشہ رضی اللہ عنہا کا گزر حوأب نامی چشمے سے ہوا، وہاں پر آپ نے اس خدشہ سے لوٹنے کا ارادہ کیا کہ کہیں معاملہ میں کوئی خرابی نہ ہو، جیسا کہ امام احمد اور امام حاکم رحمہما اللہ نے روایت کیا کہ جب عائشہ رضی اللہ عنہا شب کی تاریکی میں بنو عامر کے چشموں پر پہنچیں تو کتے بھونکنے لگے، انھوں نے پوچھا یہ کون سی جگہ ہے، لوگوں نے بتلایا یہ حوأب نامی مقام ہے، عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں یہاں سے لوٹنا چاہتی ہوں، کیوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کیا حال ہوگا جب تم میں سے کسی پر حوأب کے کتے بھونکیں گے، تو زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ واپس کیوں جاتی ہیں، ہوسکتا ہے کہ آپ کے ذریعہ اللہ لوگوں کے درمیان صلح کرادے۔ (مسند احمد ۶/۵۲، مستدرک حاکم ۳/۱۲۹، مسند ابویعلی ۸/۲۸۲، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے، دیکھئے: سلسلہ الاحادیث الصحیحہ ۱/۸۴۷)

عائشہ رضی اللہ عنہا بصرہ پہنچیں، آمد کی خبر سن کر قعقاع بن عمرو آئے، حاضر خدمت ہوکر سلام عرض کیا اور پوچھا: اماں جان! آپ نے کیوں تکلیف فرمائی؟ اور اس شہر میں آپ کی آمد کا سبب کیا ہے؟ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میرے بیٹے! میں صرف لوگوں کے مابین اصلاح کی خاطر آئی ہوں۔ (الفتنۃ ووقعۃ الجمل سیف التمیمی ص ۱۴۵، تاریخ الطبری ۳/۱۲۹، الکامل فی التاریخ ۲/۵۹۱)

جب علی رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ طلحہ، زبیر اور عائشہ رضی اللہ عنہم اپنے رفقاء کے ہمراہ بصرہ چلے گئے ہیں تو وہ بھی اپنے ہم نواؤں کے ساتھ بصرہ پہنچے، دونوں جماعتیں اپنے اپنے مقام پر فروکش ہوئیں اور جانبین کے درمیان معتبر حضرات کے ذریعہ

مصالحت کی کوششیں جاری ہوئیں، متعدد اکابرین نے سوءظن رفع کرنے اور غلط فہمیوں کے ازالہ کے لئے کوششیں کیں، اس سلسلہ میں علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے ایک بزرگ صحابی قعقاع بن عمر التیمی عائشہ رضی اللہ عنہا اوران کے ہم نواؤں کے پاس تشریف لے گئے اور باہم مصالحانہ گفتگو کی، طلحہ، زبیر اور عائشہ رضی اللہ عنہم سب نے ان کی موافقت کی اوران کی باتوں پر آمادگی کی ہاں بھری۔

اسی دوران عائشہ رضی اللہ عنہا نے علی رضی اللہ عنہ کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ ہمارا یہاں آنا صلح کے لئے ہی ہے، چنانچہ ہر دو جانب کے لوگ اس صورت حال پر بہت مسرور ہوئے اور خیر وسلامتی کے ساتھ شب باشی کی، لیکن مفسدین اور قاتلین عثمان پوری رات شر عظیم کھڑا کرنے کی تدابیر میں منہمک رہے، کیوں کہ انھیں ڈر تھا کہ اگر دونوں گروہ متحد ہوگئے تو ہم سے جس طرح چاہیں گے دم عثمان کا بدلہ لے لیں گے، انھوں نے طے کیا کہ صبح صادق سے پہلے غلس میں کچھ لوگ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہم نواؤں کی قیام گاہ پر اور دوسرا گروہ علی رضی اللہ عنہ کی جماعت پر اچانک حملہ کردیں اور یہ آواز لگائیں کہ فریق مخالف نے بدعہدی کرتے ہوئے ہم پر حملہ کردیا ہے تاکہ دونوں گروہ میں پھوٹ پڑ جائے۔

مفسدین نے ایسا ہی کیا اب ہر دو فریق نے یہ سمجھا کہ ہم پر فریق مخالف نے بدعہدی کرتے ہوئے حملہ کردیا، ہر ایک نے اپنا اپنا دفاع کیا لیکن اس ناگہانی صورت حال میں مفسدین کی سازش کی وجہ سے بے شمار مسلمان مقتول ہوئے، یہ المناک سانحہ ۱۶/ جمادی الثانی سن ۳۶ ہجری بروز جمعہ بصرہ کے قریب ''زابوقہ'' نامی علاقہ میں پیش آیا۔

علی رضی اللہ عنہ کے منادی آواز لگاتے رہے، لوگو! رک جاؤ، لوگو! رک جاؤ، لیکن اس مشتعل جنگ میں کون سننے والا تھا، قاضی بصرہ کعب بن سور بھاگے ہوئے عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور کہا: چلیں شاید اللہ آپ کے ذریعہ لوگوں میں صلح کرادے، چنانچہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے ہودج میں بیٹھیں جسے زرہوں سے پردہ کردیا گیا اور پر امید آگے بڑھیں کہ لوگ ان کے مقام ومرتبہ کا لحاظ کرتے ہوئے ان کی بات سنیں گے اور شعلہ زن جنگ بجھ جائے گی، وہ پکارتی رہیں، میرے بیٹو! اللہ سے ڈرو، یوم حساب کو ہرگز نہ بھولو، لڑائی سے رک جاؤ، لیکن یہ مقدس صدا بھی صدا بصحرا ثابت ہوئی، ہر ممکن کوشش کے بعد بھی یہ جنگ نہ رکی، ظہر تک جاری رہی۔

علی رضی اللہ عنہ نے جب لاشوں کو دیکھا تو اپنے بیٹے حسن کی طرف متوجہ ہوئے، انھیں اپنے سینے سے لگایا اور رونے لگے، وہ فرمارہے تھے، میرے بیٹے! کاش تمہارے والد آج سے بیس برس پہلے وفات پاچکے ہوتے، حسن نے کہا: ابا جان! میں نے تو آپ کو پہلے ہی اس سے منع کیا تھا، علی رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے تو گمان بھی نہ تھا کہ معاملہ اس حد تک پہنچے گا، آج کے بعد زندگی کا کوئی مزہ نہیں، بھلا اب کس خیر کی امید رکھی جائے۔ (البدایہ والنہایہ ۱۰/ ۴۵۶)

جنگ کے اختتام پر علی رضی اللہ عنہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آئے اور کہا: اللہ آپ کو معاف فرمائے، وہ کہنے لگیں، آپ کو بھی، میں تو فقط اصلاح کے ارادہ سے آئی ہوں۔ (شذرات الذہب فی أخبار من ذہب لابن العماد العکری ۱/ ۲۰۶)

اسی بنا پر عائشہ رضی اللہ عنہا جب اس دن کو یاد کرتیں تو زار و قطار روتیں یہاں تک کہ ان کا دوپٹہ آنسوؤں سے تر ہو جاتا۔ (منہاج السنۃ النبویہ ۶/ ۲۰۸)

مذکورہ بالا تحریروں سے صاف واضح ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقصد امت کی اصلاح اور صلح صفائی کے علاوہ کچھ نہ تھا جو کچھ پیش آیا وہ سبائی گروپ کی دسیسہ کاریوں کا نتیجہ تھا جس کا عائشہ رضی اللہ عنہا کو وہم وگمان بھی نہ تھا۔

جیسا کہ اس خط کے الفاظ سے بھی واضح ہے جو عائشہ رضی اللہ عنہا نے عبداللہ بن قیس الاشعری کے نام بھیجا تھا جس میں لکھا تھا: شہادت عثمان کا جو معاملہ ہوا اس سے تو آپ آگاہ ہی ہیں اور میں لوگوں کے درمیان اصلاح کی نیت سے نکلی ہوں........ (دیکھئے: الثقات لابن حبان ۲/ ۲۸۲)

یکم رجب سن ۳۶ ہجری بروز ہفتہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی محمد بن ابوبکر کے ساتھ مکہ مکرمہ کے لئے عازم سفر ہوئیں، علی رضی اللہ عنہ نے ان کے لئے ضروریات سفر، سواری، زادراہ وغیرہ کا انتظام کیا اور بطور اعزاز بصرہ کی بعض شرفاء خواتین کو ہم سفری کے لئے روانہ کیا، روانگی کے وقت علی رضی اللہ عنہ اور کئی ایک حضرات ام المؤمنین کو خیر باد کہنے کے لئے حاضر ہوئے، بلکہ علی رضی اللہ عنہ کئی میل ام المؤمنین کے ساتھ پیادہ چلے اور ان کو رخصت کیا، مکہ مکرمہ پہنچ کر عائشہ رضی اللہ عنہا وہیں پر قیام پذیر رہیں یہاں تک کہ اس سال کا حج کر کے مدینہ واپس لوٹیں۔ رضی اللہ عنہم جمیعا۔ ملاحظہ ہو: البدایہ والنہایہ ۷/ ۲۲۵-۲۴۶، شذرات الذہب فی أخبار من ذہب لابن العماد العکری ۱/ ۲۰۵-۲۰۶، تاریخ الطبری ۴/ ۵۰۸-۵۳۳، الفتنۃ و وقعۃ الجمل ص ۱۰۷-۱۸۳، الکامل فی التاریخ ۲/ ۵۶۲-۶۲۶)

(۱۷) عائشہ رضی اللہ عنہا کا انتقال:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا آخری زمانہ تھا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا چند روز کی علالت کے بعد اس دار فانی کو خیر باد کہہ گئیں۔

مرض الموت کے عالم میں انھوں نے وصیت کی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد ایک جرم کا ارتکاب کیا ہے، لہٰذا مجھے حجرہ مبارکہ میں دفن نہ کرنا بلکہ ازواج مطہرات کے ساتھ جنت البقیع میں دفن کرنا، اس سے وہ واقعہ جمل کو مراد لیتی تھیں۔ (صحیح بخاری ۲/ ۱۰۳، الطبقات الکبری ۸/ ۷۴، مستدرک حاکم ۴/ ۷)

نیز انھوں نے وصیت کی کہ ان کے جنازہ کے ساتھ آگ نہ لے جائی جائے، لاش کے نیچے سرخ چادر نہ ڈالی جائے اور نماز جنازہ ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ پڑھائیں۔ (الطبقات الکبری ۸/ ۷۶، مصنف عبدالرزاق ۳/ ۵۲۵)

بیماری کی حالت میں جو بھی آتا اور آپ کے احوال پوچھتا آپ اس سے یہی کہتیں الحمد للہ ٹھیک ہوں، جو لوگ عیادت کو آتے بشارت دیتے فرماتیں: اے کاش میں کوئی اینٹ یا پتھر ہوتی۔ (الطبقات الکبری ۸/ ۷۵)

۱۷/ رمضان المبارک سن ۵۸ ہجری سہ شنبہ کی شب کو مدینہ منورہ میں عائشہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا، اس وقت ان

کی عمر ۶۷ سال کی تھی، لوگوں کے آہ وبکا کا یہ عالم تھا کہ آوازیں سن کر مدینہ منورہ حتی کہ عوالی تک کے لوگ اکٹھا ہوگئے، چشم فلک نے ایسا دردانگیز منظر نہ دیکھا تھا۔

نماز جنازہ ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور نماز وتر کے بعد رات ہی میں دفن کردیا گیا، رات اس قدر تاریک تھی کہ لوگوں کو تیل میں کپڑے ڈال کر چراغ جلانے پڑے، آل ابوبکر میں سے پانچ لوگوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو قبر میں اتارا(۱) عروہ بن زبیر (۲) عبداللہ بن زبیر (۳) قاسم بن محمد بن ابوبکر (۴) عبداللہ بن محمد بن ابوبکر (۵) عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہم جمیعا اور حسب وصیت جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ دیکھئے: الطبقات الکبری لابن سعد ۸/ ۷۷، تاریخ ابن ابی خیثمہ ۲/ ۵۸، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب لابن عبدالبر ۴/ ۱۸۸۵، أسد الغابۃ لابن الاثیر ۷/ ۱۸۶، المنتظم فی تاریخ الملوک والأمم لابن الجوزی ۵/ ۳۰۳، تاریخ الاسلام للذہبی ۴/ ۲۴۹، البدایہ والنہایۃ لابن کثیر ۱۱/ ۳۴۲)

(۱۸) عائشہ رضی اللہ عنہا شعری گلدستہ میں:

عائشہ رضی اللہ عنہا کے فضل ومنقبت میں بہت سے شعراء نے قصیدے لکھے، ان میں سے ایک عمدہ قصیدہ صحابی رسول حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا ہے جو ان کے (دیوان ص ۱۹۰) سے ماخوذ ہے، بوجہ اختصار اس کے چند اشعار پر اکتفا کیا گیا ہے:

حصـــان رزان مـــا تزن بريبـــة وتصبح غرثى من لحوم الغوافل

عائشہ رضی اللہ عنہا پاک دامن، باوقار ہیں ان کی پاک دامنی پر شک نہیں کیا جاتا ہے وہ برائیوں سے غافل لوگوں کی غیبت نہیں کرتی ہیں۔

حليلة خيـــر النـــاس دينا و منصبا نبى الهدى و المكرمات الفواضل

وہ نبی ہدی، عمدہ خوبیوں کے حامل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہیں جو لوگوں میں دین ومنصب کے لحاظ سے سب سے افضل ہیں۔

یہاں تک کہ آخر میں کہا:

رأيتک و ليغفر الله لک حـــرة من المحصنات غير ذات غوائل

اللہ آپ کی مغفرت فرمائے، میں نے آپ کو برائیوں سے خالی، ایک پاکدامن شریف خاتون پایا ہے۔

ہم ذیل میں موسی بن محمد الوعظ الاندلسی کے قصیدہ کے چند اشعار پیش کرتے ہیں جو انھوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے دفاع اور ان کی مدح سرائی میں سپرد قلم کئے تھے:

مـــا شـــأن أم المؤمنين و شـــأنى هدى المحب لها وضل الشأنى

میرا اور ام المؤمنین کا کیا مقام ومرتبہ ہے، ان سے محبت رکھنے والا ہدایت یاب ہوا اور بغض ونفرت رکھنے والا گمراہ ہوا۔

انی أقـول مبینا عن فضـلها و مترجما عن قولها بلسانی

میں ان کی (عائشہ رضی اللہ عنہا) فضیلت بیان کرتے ہوئے اور ان کی بات اپنی زبان سے نقل کرتے ہوئے کہتا ہوں۔

یا مبغضـی لا تأت قبر محمـد فالبیت بیتی و المکان مکانی

اے مجھ سے بغض رکھنے والے تم محمد ﷺ کی قبر پر مت آنا، گھر تو میرا ہے اور مدفن رسول کی جگہ بھی میری ہے۔

انی خصصت علی نساء محمـد بصفـــات بر تحتهن معـانی

مجھے محمد ﷺ کی دیگر بیویوں پر فضیلت حاصل ہے، کیوں کہ میرے اندر نیکی کی وہ صفات ہیں جن میں معانی چھپے ہوئے ہیں۔

الحمد لله الذی بنعمته تتم الصالحات

وصلی الله علی نبینا محمد وعلی آله و صحبه أجمعین

☆☆☆

کیلنڈر 2017 جامعہ سلفیہ بنارس

حسب سابق جامعہ سلفیہ کا کیلنڈر 2017 عمدہ طباعت اور بہترین ڈیزائن کے ساتھ چار کلر میں طبع ہو کر منظر عام پر آرہا ہے۔ خواہشمند حضرات مندرجہ ذیل پتہ سے طلب کر سکتے ہیں۔

مکتبہ سلفیہ

جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس

Maktaba Salafiah, B.18/1-G, Reori Talab, Varanasi-221010 (U.P.)

براعظم افریقہ: نئے دور میں

(قسط:۲) ڈاکٹر عبدالتواب خان

دریائے نیل کا مسئلہ:

یہودیوں کے نزدیک دینی ناحیہ سے نہر نیل کی بہت بڑی اہمیت ہے۔اسی نہر نیل نے موسیٰؑ کو موت سے چھٹکارا دلایا تھا۔نیل ہی کے ساحلوں پر گزشتہ ادوار میں یہودی نقل مکانی ہوئی تھی۔نیل کا شمار دنیا کی سب سے لمبی نہروں میں ہوتا ہے جو اپنے استوائی چشموں سے لے کر بحر متوسط میں گرنے تک کی مکمل ۶۶۵۰ رکلومیٹر کی مسافت میں پھیلا ہوا ہے۔یہ دس افریقی ملکوں میں بہتا ہے، جنہیں حوض النیل کے ممالک کہا جاتا ہے، یہ ممالک یہ ہیں: بورونڈی، روانڈا، تنزانیہ، اوگنڈا، کینیا، اتھوپیا، جنوبی سوڈان، سوڈان اور مصر۔سوڈان اور مصر میں نہر نیل گرتا ہے، جبکہ بقیہ آٹھ ممالک چشمہ والے ہیں جہاں سے پانی بہنا شروع ہوتا ہے۔وکٹوریہ، اڈوارڈ، البرٹ موبوٹو، تانا جیسے جھیلوں اور تالابوں سے نہر نیل میں پانی گرتا ہے اور سرزمین سوڈان پر نیل ابیض اور نیل ازرق دونوں باہم ملتے ہیں۔

مصر اور سوڈان دونوں نہر نیل کے پانی سے مستفید ہوتے ہیں، کیونکہ دونوں وادی کے نچلے حصہ میں واقع ہیں۔ ۹۷ رفیصد مصر کا پانی نیل ہی سے آتا ہے۔جبکہ نہر کا ۹۵ رفیصد پانی مصری سرزمین سے باہر سے آتا ہے۔

اپریل ۲۰۱۰ء میں حوض النیل کے ممالک کے مابین ایک میٹنگ کا انعقاد ہوا تھا، جس میں ان ممالک کے آبپاشی وزراء نے شرکت کی تھی، لیکن بلا کسی نتیجہ تک پہنچے ہی یہ میٹنگ ختم ہوگئی۔اس میں مصر اور سوڈان نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ مصر کے پانی کے حصہ کو ۶۶ رکروڑ کیوبک تک بڑھا دیا جائے، نیز نہر نیل پر کوئی پروجیکٹ شروع کرنے سے پہلے چشمہ والے ممالک مصر کو پیشگی مطلع کریں گے لیکن ان ممالک کی طرف سے مصر کو جو جواب ملا وہ منفی تھا۔

نیل کے پانی پر قبضہ کرنے کا اسرائیلی خواب بہت پرانا ہے۔۱۹۰۳ء میں صہیونی تحریک کے موسس تھیوڈر ہرزل نے اس علاقہ پر قابض برطانوی حکومت سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ آئندہ قائم ہونے والے صہیونی ملک اسرائیل کی سرزمین کی آبپاشی کے لئے نیل کے کچھ پانی مصر کے راستہ صحراء النقب میں لانے کی اجازت دے۔لیکن ۱۹۷۰ء سے اسرائیل نے اس موضوع کو ایک اہم مسئلہ بنالیا۔باہر سے آنے والے یہودیوں کی نوآبادی قائم کرنے، قابل کاشت زمین کی وسعت بڑھانے کے لئے اس نے علاقہ کے تمام قدرتی چشموں پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنالیا اور اب وہ اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے علاقہ کے پورے نقشہ کو ہی تبدیل کرڈالنے کے درپہ ہے، اور تھیوڈر ہرزل کے خواب کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے نیل کے زیادہ سے زیادہ پانی کو صحراء النقب تک پہنچانا چاہتا ہے۔

اسرائیل اس موضوع پر اپنے زرخرید افریقی لیڈران کے ذریعہ اس طرح فساد برپا کروا رہا ہے کہ غیر مسلم افریقی خود

اپنے ہی مسلم افریقی بھائیوں کے دشمن بنتے نظر آرہے ہیں۔ وہ افریقی لیڈران جو کبھی بلامذہبی تفریق کے صرف افریقہ کے نام پر یکجا ہوجاتے تھے وہ اب باہم دست وگریباں نظر آرہے ہیں۔ ۱۹۷۳ء میں صرف پانچ ممالک کو چھوڑ کر تمام افریقیوں نے یہ کہہ کر اسرائیل کا مکمل بائیکاٹ کردیا تھا کہ مصر افریقی ملک ہے اور مصر پر حملہ تمام افریقیوں پر حملہ ہے، لیکن اس کے بعد ہی جون ۱۹۷۶ء میں تنزانیہ کے صدر کے بھائی نے اسمبلی میں یہ تجویز پیش کی کہ چونکہ سارا پانی افریقہ کے مشرقی حصہ سے بہتا ہے لہٰذا اب عربوں کے ساتھ ایک گیلن پانی کے بدلہ ایک گیلن پٹرول کا معاہدہ ہونا چاہئے۔ ۱۹۹۶ء میں اوگنڈا نے مصر وسوڈان پر زیادہ پانی استعمال کرنے کا الزام لگا کر وکٹوریہ جھیل پر بند بنا کر پن بجلی گھر بنادیا۔

اسرائیل حوض النیل کے جن ممالک پر توجہ مرکوز کئے ہوئے ہے، اس میں ایک ملک اوگنڈا ہے۔ یہ وہ ملک ہے جو یہودیوں کا قومی وطن بنانے کے لئے صہیونی تحریک کے منصوبوں میں شامل تھا۔ وکٹوریہ جھیل جو نیل کا بنیادی چشمہ ہے یہیں پر واقع ہے۔ پانی کے احتیاجات کے معاملہ میں مصر وسوڈان کے نزدیک اس کی حیثیت شہ رگ کی ہے۔ اسرائیل اور اوگنڈا کے تعلقات اس وقت تقریباً ہر میدان میں قائم ہوچکے ہیں، چاہے وہ سیکورٹی میدان میں ہوں یا سیاسی واقتصادی۔ کم وبیش کچھ ایسے ہی تعلقات کینیا کے ساتھ بھی ہیں، جس کے بندرگاہی شہر ممباسا میں یہودیوں کی ایک بڑی کمیونٹی آباد ہے جن کی جڑیں حکومتی اداروں میں انتہائی گہری ہیں۔ یہاں بھی اسرائیل کا اصل ٹارگیٹ تو پانی ہی ہے لیکن اس کے تعلقات تقریباً ہر میدان میں قائم ہوچکے ہیں۔

حوض النیل کے چشمہ ممالک پر امریکہ کا نفوذ بھی انتہائی گہرا ہے۔ اسرائیل اس نفوذ کا استعمال اپنے مفاد میں کررہا ہے۔ نوے کی دہائی میں اسلامی تحریکات کے پھیلاؤ کو لے کر اسرائیل امریکہ نیا گٹھ جوڑ قائم ہوا، اس گٹھ جوڑ کی تمام تر توجہ سوڈان اور صومال وغیرہ کی اسلامی تحریکات پر مرکوز ہوگئیں۔ اس علاقہ میں فرانس کا بھی بہت گہرا اثر ہے۔ اسرائیل اس اثر کو اپنے مفاد میں استعمال کررہا ہے۔ بلکہ اس نے امریکہ کی مصلحت میں فرانس کو نظر انداز کرکے اتھوپیا، ارتریا، اوگنڈا اور تونسی کے ساتھ خفیہ مشقیں بھی کرڈالیں۔ اسرائیل کی اس دانستہ دخل اندازی کو دیکھ کر فرانس کی ناراضگی اتنی بڑھی کہ اس نے تمام صہیونی سرگرمیوں کو فرانسیسی اخباروں میں نشر کردیا۔

اسرائیل اپنے اہداف کی تکمیل کے لئے افریقی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ وہ افریقیوں کو دائمی ومستقل طور پر عربوں کے خلاف بھڑکاتا اور انہیں یہ باور کرانے کی کوشش کرتا ہے کہ عرب ان کے پانی کو حد سے زیادہ استعمال کرکے افریقیوں پر ظلم کرتے ہیں۔ پھر انہیں ڈپلومیٹک اور اکونومک مدد پیش کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں وہ تاریخ سے بھی کھلواڑ کرتا ہے اور انہیں یہ درس دیتا ہے کہ عربوں نے ہمیشہ افریقیوں کو صرف غلام بنانے کا کام کیا ہے۔ ۲۰۰۹ء میں مصر کے شہر اسکندریہ میں حوض النیل کے ممالک کی میٹنگ ہوئی جس میں ان ممالک کی آپس میں خوب نوک جھونک ہوئی۔

اسرائیل امریکی مدد سے آبپاشی کے بہت سے پروجیکٹ پر عمل پیرا ہے۔ اس سلسلہ میں افریقیوں کی دی جانے والی امریکی ٹکنکل مدد کو وہ اپنے مفاد میں استعمال کررہا ہے۔ ایک طویل ریسرچ کے بعد اس نے زائیر اور روانڈا کو تین ڈیم بنانے کا مشورہ دیا۔ اسرائیلی ماہرین نے روانڈا کی مٹی کی صلاحیتوں کا بھی تجربہ کیا کہ انہیں کس مقصد کے لئے کام میں لایا جاسکتا ہے۔

۲۰۰۰ء میں اسرائیلی وزارت زراعت کے آبپاشی کے ڈائرکٹر موشی دون گولین نے ایک وفد کے ہمراہ اوگنڈا کا دورہ کیا، اور ملک کے قحط زدہ دس علاقوں میں آبپاشی کے کئی پروجیکٹوں پر دستخط کئے اور یہ طے ہوا کہ اوگنڈا کا ایک وفد ان پروجیکٹوں پر ریسرچ اور انہیں پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے اسرائیل کا دورہ کرے گا۔ ان تمام پروجیکٹوں میں وکٹوریہ جھیل کا پانی استعمال ہوگا، جس سے نیل ابیض کی طرف جانے والا پانی کم ہوجائے گا اور پھر اس کا طبعی نتیجہ یہ ہوگا کہ مصر وسوڈان پانی کی ایک بڑی مقدار سے محروم ہوجائیں گے۔ ان تمام سرگرمیوں کا عالم یہ ہے کہ یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ ان پروجیکٹوں کو کوئی باہری کمپنی پایۂ تکمیل تک پہنچا رہی ہے بلکہ یوں لگتا ہے کہ جیسے خود اسی ملک کی منسٹری انہیں انجام دے رہی ہو۔ اسرائیل نے اوگنڈا کے کاراموجا علاقہ میں جو جنوبی سوڈان کے قریب واقع ہے آبپاشی کے کئی کاموں پر عمل پیرا ہے۔ وہ یہاں دو (۲) لاکھ ۴۷ر ہزار ہیکٹر آراضی کی آبپاشی کرنا چاہتا ہے، جبکہ موجودہ وقت میں صرف ۳۲ر ہزار ہیکٹر زمین میں آبپاشی کے لئے پانی استعمال کیا جارہا ہے۔ اب آپ اندازہ لگائیں کہ اس کے آٹھ گنا سے زیادہ زمین کی آبپاشی کے لئے پانی کی کتنی ضرورت ہوگی، اور اس طرح مصر وسوڈان کی جانب جانے والی پانیوں میں کتنی زبردست کمی واقع ہوگی؟! بلکہ ماہرین کا اندازہ ہے کہ اس سے مصر وسوڈان کے ڈیولپمنٹ پر حتمی طور پر اثر پڑے گا۔ یہی نہیں بلکہ چشمہ ممالک کے ساتھ قائم ہونے والا یہ اتحاد سوڈان کی سیکورٹی کو بھی خطرہ میں ڈال دے گا۔ اسرائیل کے اتنے بڑے پیمانہ پر آبپاشی کے میدان میں کام کرنے سے ماہرین تو یہ بھی اندازہ لگا رہے ہیں کہ اسرائیل کا اصل مقصد ان تمام قابل کاشت زمینوں کو مختلف طریقوں سے اپنی ملکیت میں لینے کا ہے۔

اسرائیلی وامریکی میڈیا کی جانب سے یہ شور مچایا جارہا ہے کہ اگلی جنگ پانی کو لے کر ہوگی۔ اس علاقہ میں آج تک پانی کی جنگ نہیں ہوئی۔ بلکہ پوری تاریخ میں اس علاقہ کے لوگوں نے اس جنگ کے بارے میں سوچا بھی نہیں ہوگا۔ لہٰذا ان کے مابین یہ جنگ آج کیسے ہوگی۔ یہ صرف اور صرف میڈیا ٹرائل کے ذریعہ ماحول بنایا جارہا ہے، تاکہ آئندہ افریقہ کے دو دھڑوں کے مابین اس موضوع کو سبب بنا کر ایک خوفناک جنگ بھڑکایا جاسکے، اور استعمار کو اپنے استعمارانہ مقاصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا موقع مل سکے۔

جہاں تک بحر احمر کا مسئلہ ہے اسرائیل کے نزدیک شروع سے ہی اس کی اہمیت بہت زیادہ رہی ہے۔ بن گورین نے ۱۹۴۹ء میں وزیر جنگ موشی دیان کو خصوصی حکم دیا تھا کہ وہ کسی بھی قیمت پر بحر احمر پر بحری راستہ کا طریقہ ڈھونڈے، چنانچہ اسرائیلی فوج نے ام الرشراش گاؤں پر قبضہ کرکے اسے ایلات (EILAT) بندرگاہ بنادیا۔

تجارتی سرگرمیاں:

۱۹۶۷ء اور ۱۹۷۳ء کی دونوں جنگوں کے بعد افریقی واسرائیلی تعلقات میں کافی انخفاض دیکھنے کو ملا۔ صرف پانچ ملکوں جنوبی افریقہ، لیسوتھو، مالاوی، سوازیلینڈ، ماریشش کو چھوڑ کر تمام افریقی ملکوں نے اسرائیل سے اپنے ڈپلومیٹک تعلقات منقطع کرلئے تھے۔ اس انقطاع کے بعد اسرائیل یوں ہی ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھا رہا، بلکہ اس کے بدلہ اس نے تجارتی تعلقات مضبوط کرنے شروع کردیئے، اور ۱۹۷۳ء سے ۱۹۷۸ء تک اس نے تجارتی زرمبادلہ ۵۴٫۸ ملین ڈالر سے بڑھا کر ۱۰۴٫۳ ملین ڈالر

تک کر دیا، اس اثناء اس نے سیاست سے ہٹ کر زراعت وٹکنالوجی پر خوب توجہ مرکوز کی۔ اس طرح آہستہ آہستہ اسی کی دہائی ختم ہوتے ہوتے اسرائیل افریقہ تعلقات پہلی حالت پر واپس آ گئے۔ اور وہ عرب اسرائیل کشمکش سے افریقی ممالک کو الگ کرنے میں کامیاب ہو گیا اور بات یہاں تک پہنچ گئی کہ خاص اس وقت جبکہ فلسطینی انتفاضہ جاری تھا، معصوم فلسطینی بلاتمیز، بے دریغ قتل کئے جا رہے تھے، تین افریقی ممالک، وسطی افریقہ، کینیا اور اتھوپیا نے اسرائیل کے ساتھ تعلقات بحال کرنے کا اعلان کر دیا۔

اسرائیل اس وقت ایسی منڈی کی تلاش میں ہے جہاں اپنی مصنوعات برآمد کر سکے، خاص طور پر ایسے وقت میں جبکہ ایشیائی مارکٹ میں وہ تجارتی مسابقہ آرائی میں ٹکنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ چین، انڈونیشیا، ملیشیا اور تھائی لینڈ وہ ممالک ہیں جو اپنی مصنوعات سستے داموں میں مارکٹ میں اتار کر یہاں کی منڈیوں پر حاوی ہیں۔ اس لئے افریقی مارکٹ میں وہ اپنے وجود کو دائمی شکل دینا چاہتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کی تجارتی کشتیاں کینیا کے ممبا سا بندرگاہ پر پہنچیں جہاں سے دیگر افریقی ملکوں میں مصنوعات کی ڈلیوری ہو۔ اوگنڈا اور کینیا میں پٹرول کے انکشاف کے بعد تو یہ اپنی مصنوعات کے بدلہ پٹرول اور پانی کا خواہش مند ہے۔ بلکہ نتنیاہو نے اپنے حالیہ ۴؍جولائی ۲۰۱۶ء کے افریقی دورہ پر تو واٹر بینک بنانے کی ہی تجویز پیش کر دی تھی۔

اس وقت اسرائیل و افریقہ کے مابین تعلقات مصالح پر قائم ہیں، تین ایسی چیزیں ہیں جن سے اسرائیل افریقہ میں اپنا پیر جمائے ہوئے ہے۔ پہلی چیز آبپاشی وزراعت، دوسری چیز افریقہ میں موجود وبائی امراض پر رسرچ اور تیسری چیز افریقہ میں اسرائیلی سیکورٹی کمپنیوں کی ایک بڑی تعداد میں موجودگی، جو ملکی حالات کے استقرار اور حکومتوں کے خلاف ہونے والے کسی بھی انقلاب کو روکنے میں تعاون کرتی ہیں، اور یہ معلوم ہونا چاہئے کہ پوری دنیا میں افریقہ وہ واحد براعظم ہے جہاں حکومتوں کے خلاف سب سے زیادہ انقلابات برپا ہوتے ہیں۔

تجارتی میدان میں اسرائیل اس وقت جس چیز میں سب سے زیادہ دولت سمیٹ رہا ہے وہ یہاں کے قدرتی ذخائر میں سرمایہ کاری ہے۔ اس میں سب سے اہم ''ہیرا'' ہے جس کی تجارت جنوبی افریقہ، بوٹسوانا، جمہوریہ کونگو، سیرالیون اور وسطی افریقہ میں بڑے پیمانہ پر ہوتی ہے۔ اسرائیل کے پاس خام مال نہیں ہے، اور نہ ہی اس کے پاس ''ہیرے'' کے کان ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ہیرا ایکسپورٹ کرنے میں اس کا شمار دنیا کے سب سے بڑے ممالک میں ہوتا ہے۔ وہ نیجر میں یورینیم کی تجارت میں سرگرم ہے۔ اسی طرح کان کنی کے میدان میں بھی کافی سرمایہ کاری کر رکھا ہے۔ یہ تو اعلانیہ تجارت ہے، جبکہ خفیہ تجارت بھی بڑے پیمانے پر جاری ہے۔ ۱۹۹۴ء میں اسرائیل کی افریقی ملکوں کے ساتھ غیر اعلانیہ تجارت مجموعی ایکسپورٹ کا ۲۴؍فیصد سے بھی زیادہ تھی۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ غیر اعلانیہ خفیہ تجارت کتنے بڑے پیمانہ پر موجود ہے۔ یہ خفیہ تجارت کس میدان میں ہوتی ہے، یہ بھی الگ بھگ خفیہ ہی ہے۔ یہ خفیہ تجارت خالص اقتصادی منفعت سے اوپر اٹھ کر پولیٹکل، اسٹریٹیجک اور آئیڈیالوجیکل مقاصد کی تکمیل کے لئے زیادہ ہوتی ہے۔

اسرائیل افریقہ میں اس پلاننگ پر عمل کر رہا ہے کہ ''اگر کسی پر اسٹریٹیجک اور عسکری ناحیہ سے قبضہ کرنا چاہتے ہیں تو پہلے اقتصادی ناحیہ سے اس پر قابض ہو جایئے''۔ اقوام متحدہ کے ایک بیان کے مطابق اس وقت اسرائیل و افریقہ کے مابین مجموعی

زرمبادلہ ۷،۵بلین ڈالر تک پہنچ چکا ہے۔

اسرائیل کی پالیسی ہے کہ اس کی تجارتی سرگرمیاں یا تعلقات سرکاری طور پر ہی محدود نہ رہیں، بلکہ اس سے بڑھ کر عوامی ہوں تاکہ حکومت کوئی بھی بدلتی رہے تعلقات پر اثر نہ پڑے۔لہٰذا جہاں وہ ایک طرف اعلانیہ وغیر اعلانیہ اسلحہ تجارت میں چھایا ہوا ہے وہیں دوسری طرف انتہائی بنیادی چیزیں مثلاً آبپاشی وزراعت اور واٹر ٹریٹمنٹ وغیرہ میں بڑے پیمانے پر سرمایہ کاری کررہا ہے، تاکہ عام افریقی کے ذہن میں یہ بات بیٹھ جائے کہ اسرائیلی ہمارے حقیقی خیر خواہ ہیں جو ہمارے لئے روٹی پانی کا انتظام کررہے ہیں۔

اسرائیلی وزیراعظم بنیامن نتنیاہو نے ۴/جولائی ۲۰۱۶ء کو جب چار افریقی ملکوں کا دورہ کیا تھا، اس وقت جہاں دہشت گردی جیسے بہت سے مسائل پر زور دیا تھا (اور یہ معلوم ہونا چاہئے کہ موجودہ وقت میں دہشت گردی سے نپٹنے کی بات آتی ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ مسلمانوں سے نپٹنا۔دہشت گردی جیسے ڈراونے اور خوبصورت اصطلاح کے ذریعہ مسلمانوں کو مارنے کی بات کی جاتی ہے) وہیں اس نے بہت ہی بنیادی چیزوں پر لوگوں کی توجہ مرکوز کی تھی، مثلاً نتنیاہو کی تقریر کا ایک اقتباس یہ ہے:

''ہم نے اپنے یہاں زراعت وکاشتکاری کا مسئلہ حل کرلیا ہے، اس وقت ہم پھل، سبزیاں بڑے پیمانے پر پیدا کررہے ہیں، ہمارے یہاں ڈیری پروڈکٹ کی بہتات ہے۔ہم اپنی گایوں پر ہمیشہ فخر کرتے ہیں اور لوگوں سے ہمیشہ یہ پوچھتے ہیں کہ کیا دنیا میں ایسی گائیں پائی جاتی ہیں جو اسرائیلی گایوں سے زیادہ دودھ دیتی ہوں۔کیا فرانس اور ڈنمارک کی گائیں اتنا دودھ دینے کی طاقت رکھتی ہیں؟ ہمارا جواب ہے کہ اسرائیلی گائے کمپوٹرائزڈ ہے، اس کی ایک چیچ بھی کمپیوٹر کے ایک خاص سسٹم سے مرتبط ہے اور ہم بہت ہی جوش وجذبہ کے ساتھ افریقی دوستوں کو بھی اسی ٹکنالوجی سے جوڑنا چاہتے ہیں اور ہمارا اعتقاد ہے کہ اسرائیل ہی افریقی ملکوں کا سب سے بہترین شریک کار ہے۔

افریقہ جیسا براعظم جہاں کی ایک بڑی آبادی قحط سالی سے فنا ہوجاتی ہے وہ روٹی پانی، پھل سبزیاں اور دودھ دہی کے علاوہ سمجھتے ہی کیا ہیں۔اسرائیل نے اس چیز کو بھانپ لیا ہے لہٰذا وہ انہیں کے مطابق بات کرتا ہے، حکمت کی بات یہی ہوتی ہے کہ لوگوں کو ان کی عقلوں کے مطابق ہی مخاطب کیا جائے۔میرا خیال ہے کہ اگر کوئی مضبوط مسلم ملک اس وقت افریقہ میں جاتا اور وہ تجارتی روابط کی بات کرتا تو سب سے پہلے یہی کہتا کہ ہم ایک ایٹمی طاقت ہیں، ضرورت پڑنے پر ہم آپ کے فوری کام آسکتے ہیں، کوئی دشمن تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔اس طرح کی باتیں عموماً تعلقات بہتر بنانے کے لئے کی جاتی ہیں۔ یعنی سب سے طاقتور چیز کو پیش کرکے مقابل کو مرعوب کرنے کی کوشش ہوتی ہے لیکن اسرائیل اس وقت ایٹم کا ذکر نہیں کررہا ہے بلکہ شہ رگ پر ہاتھ رکھتے ہوئے صرف اس چیز کا ذکر کررہا ہے جس کی انہیں اشد ضرورت ہے۔آخر ایک بھوکے پیاسے آدمی کے ذہن میں ایٹم کیا اثر دکھائے گا؟

اسلحہ کی تجارت:

افریقی ممالک آپسی خانہ جنگی اور خونریزی میں غرق ہیں، اسی روزمرہ کی لڑائی نے اسرائیل کو بہترین موقع عطا کردیا ہے۔افریقی میدان اسرائیلی اسلحوں کا گڑھ بن گیا ہے جہاں ایک طرف وہ اسلحہ فراہم کرکے انہیں آپس میں لڑاتا ہے وہیں یہ

اس کے مہلک ہتھیاروں کا تجربہ گاہ بھی بن گیا ہے۔ ۱۹۸۸ء میں اسرائیل نے جوہانسبرگ (جنوبی افریقہ) کو ایک اعشاریہ سات ارب ڈالر کے اسلحے فروخت کئے تھے اور صرف چھ سال میں اسلحہ کی برآمد چار گنا زیادہ بڑھ گئی۔ ۷،ارعرب ڈالر کی اس خطیر مالیت سے اسرائیل نے ۶۰ ر کیفر نامی جنگی طیارے جنوبی افریقہ کو فروخت کئے تھے۔ یہ طیارہ دراصل فرانسیسی جنگی طیارہ میراج کا اسرائیلی ماڈل ہے جس میں امریکی انجن لگا ہوا ہے۔ یہ معاہدہ اس وقت ہوا تھا جب اسرائیل کی فضائی صنعتیں انتہائی خطرناک بحران میں گھر چکی تھیں۔ اس نازک موقع پر ان طیاروں کو فروخت کرکے اسرائیل نے زبردست منافع کمایا۔ اس قسم کے ۲۰۰ ر طیارے بنائے گئے تھے، اس کے قدیم ہوجانے کی وجہ سے اب اسرائیل بھی انہیں اپنے فضائی بیڑوں سے نکالنا چاہتا تھا۔ اس معاہدہ کے طے پاجانے کے بعد اسرائیل کی سیکورٹی ایجنسیوں نے خوب جشن منایا۔

اسلحہ کی تجارت میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا گیا۔ اس اضافہ کا اندازہ آپ یوں لگائیں کہ ۲۰۰۹ء میں اسرائیل نے افریقہ کو ۷۷ ر ملین ڈالر کے اسلحے برآمد کئے تھے۔ ۲۰۱۱ء میں ۱۲۷ ر ملین ڈالر، ۲۰۱۲ء میں ۱۰۷ ر ملین ڈالر، ۲۰۱۳ء میں ۲۲۳ ر ملین ڈالر اور ۲۰۱۴ء میں ۳۱۸ ر ملین ڈالر کے اسلحے فروخت کئے تھے۔ اگر ۲۰۱۲ء کے معمولی سی کمی کو چھوڑ دیا جائے تو آپ دیکھیں گے کہ سال گزرنے کے ساتھ ساتھ برآمدات میں دن بدن اضافہ ہی ہوتا چلا گیا ہے۔ جبکہ اسٹاک ہوم کے ایک رسرچ ادارہ کا کہنا ہے کہ ۲۰۱۴ء میں اسرائیل نے مجموعی طور پر تین ارب ڈالر کے اسلحے برآمد کئے تھے۔

نتیجہ:

اسرائیل مختلف اسالیب سے افریقی ملکوں کے حکمرانوں تک تو پہنچ سکتا ہے لیکن ان کے عوام تک پہنچنا بہت مشکل کام ہے اس لئے کہ یہاں کی آدھی سے بھی زیادہ آبادی مسلمانوں کی ہے جو اسرائیل کو قابض ملک تصور کرتے ہیں۔

اسرائیل کی افریقہ میں تمام سرگرمیاں عرب اسرائیل کشمکش کی ایک امتدادی شکل ہے، لہٰذا اس کا مقابلہ بھی پوری پلاننگ اور شعوری طور پر ہونا چاہئے۔ بدل کے طور پر اسرائیل سے اچھا پیش کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، خاص طور پر صنعت وحرفت پر زیادہ توجہ مرکوز ہونی چاہئے تاکہ زیادہ سے زیادہ ہنرمندوں کو نوکریاں مل سکیں۔

ستر کی دہائی میں مصر اسرائیل جنگ کے وقت چند ممالک کو چھوڑ کر پوری افریقہ متحد تھا۔ سب کا ایک آواز میں یہ کہنا تھا کہ اسرائیل قابض ملک ہے لیکن آہستہ آہستہ زمانہ نے ایک نیا موڑ لیا۔ مصر نے خود اسرائیل سے تعلقات استوار کر لئے جس سے اسرائیل کو افریقی ممالک سے یہ کہنے موقع مل گیا کہ جن کا مسئلہ ہے وہ خود ہمارے ساتھ تعلقات قائم کر رہے ہیں لہٰذا اب دوسرے افریقی ممالک کا تعلقات توڑے رکھنے کا کیا مطلب بنتا ہے؟ ۱۹۷۹ء میں کیمپ ڈیوڈ معاہدہ کے بعد جس پیمانہ پر اسرائیل افریقہ تعلقات وسیع ہوئے اتنا قیام اسرائیل سے لے کر کبھی نہ ہوئے تھے لہٰذا افریقی ممالک خاص طور پر حوض النیل کے چشمہ ممالک یہ کہنے لگے کہ اب مصر کا ہمارے اوپر انگلی اٹھانے کا کوئی جواز نہیں ہے، کیونکہ یہی کام تو وہ ہم سب پہلے ہی کر چکا ہے۔ ۱۹۷۹ء میں مصر نے امن معاہدہ کیا، اس کے بعد اردن نے کچھ اسی طرح معاہدہ ”وادی عربۃ“ کیا۔ خود فلسطینی قیادت نے اوسلو معاہدہ پر دستخط کئے۔ ان تمام ڈراموں نے افریقیوں کو اتنا احساس تو دلا ہی دیا کہ اب اسرائیل کے ساتھ تعلقات منجمد رکھنے کا کوئی مطلب نہیں رہ گیا ہے۔ ☆☆

ہے زندہ فقط وحدت افکار سے ملت

عبدالباری شفیق سلفی
استاد جامعہ اسلامیہ ممبرا، ممبئی

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ اتحاد واتفاق باعث خیر وبرکت اور اجتماعی عروج وارتقاء کا موثر ترین ذریعہ ہے، جبکہ افتراق وانتشار، تباہی وبربادی، اور غربت وافلاس کا پیش خیمہ ہے، تاریخ عالم کے مطالعہ سے یہ بات پوری طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ ہر دور اور ہر زمانے میں وہی قومیں اور جماعتیں دنیا میں اپنی عظمت وسطوت کے پرچم لہراتی رہی ہیں جنہوں نے آپسی بغض وعناد اور اختلاف وانتشار سے دور رہ کر اپنی پوری توانائی ملکی، ملی، سماجی اور سیاسی اصلاح میں صرف کیا ہے، اور قوم وملت کی رہنمائی وخیرخواہی کی خاطر اپنی جان ومال کی قربانیاں پیش کی ہیں، اس کے برعکس وہ قومیں جو خانہ جنگی اور مسلکی اختلافات کا شکار ہوکر الگ الگ ٹولیوں اور جماعتوں میں بٹ گئیں ہیں انہیں زندگی کے ہر شعبے میں شکست وریخت کا سامنا کرنا پڑا ہے اور زندگی کے ہر میدان میں انہیں ناکامی ونامرادی ہی ہاتھ آئی ہے۔

آج عالمی منظرنامے میں مسلمانوں کی صورتحال کسی بھی دانشور وصاحب بصیرت سے مخفی نہیں ہے، مسلمان سیاسیات، معاشیات، اقتصادیات بلکہ زندگی کے تمام اہم شعبوں میں تشویش ناک حد تک پچھڑے ہوئے ہیں، عالمی تجارتی منڈیوں میں ان کی نمائندگی نا ہونے کے برابر ہے، آپس کے اختلاف وانتشار نے انہیں پوری طرح کھوکھلا کر دیا ہے جس کی وجہ سے یہ خیر امت بری طرح ذہنی وجسمانی کشمکش میں مبتلاء ہے، آج یہ قوم وجماعت ''انما المومنون اخوۃ'' کے تشخصات کو بالائے طاق رکھ کر کفار ومشرکین اور یہود ونصاری کے نقش قدم پر چلتی نظر آرہی ہے۔ جن کا حقیقی مقصد بھی یہی ہے کہ مسلمان آپس میں لڑیں مریں نیز فروعی ومسلکی اختلافات میں الجھ کر دین متین سے بیزار ہوجائیں اس لئے کہ انھیں اس بات کا بخوبی علم ہے کہ اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس نے اتحاد واتفاق اور اجتماعیت کا مثبت تصورات دنیائے انسانیت کے سامنے پیش کیا اور مسلمانوں کے باہمی اتحاد واتفاق پر ہمیشہ زور دیا ہے امت مسلمہ کے اندر اتحاد واتفاق اور اجتماعیت کے جذبہ کو بڑھانے کیلئے اسلامی عبادات کی شکل میں احترام انسانیت اور اتحاد کا عظیم درس دیا ہے۔ لیکن ان سب کے باوجود آج کا مسلمان اتحاد سے دور آخر کیوں ہے؟ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بہت سارے عوامل اور کئی اسباب ووجوہات ہیں، جسمیں نظریاتی عصبیت وتنگ نظری، دین سے بیزاری، خوف خدا کا فقدان، آپسی رسہ کشی نیز احساس برتری اور دوسروں کے ساتھ غیر اخلاقانہ طنز ومزاح اور ان کی بے عزتی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

دور حاضر میں اختلافات سے بچنا امت مسلمہ کا اہم ترین مسئلہ اور وقت کا اہم تقاضہ ہے، چونکہ امت مسلمہ آج جن مسلکی وفروعی مسائل کے جھمیلے میں پھنس کر اپنی وحدت کو پارہ پارہ اور اپنی شناخت کو مجروح کررہی ہے اس کا ناجائز اور بھرپور فائدہ

باطل اور صہیونی سازشیں اٹھا رہی ہیں، مسلم نوجوانوں کے داڑھی، ٹوپی اور کرتے کو مشکوک نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بغیر کسی مسلک ومشرب کی تفریق اور کسی جرم وقصور کے اٹھالیا جاتا ہے اور جیل کی سلاخوں میں عمر کا اکثر حصہ گذارنے پر مجبور کیا جاتا ہے اور حالت یہ ہوتی ہے کہ وہاں سے نکلنے تک وہ عمر کا ایک قیمتی حصہ کے کھو چکا ہوتا ہے اور رہائی کے بعد اس کے ہاتھ طعن وتشنیع اور ناامیدی کے سواء کچھ نہیں آتا۔ یہ سب ایک منظم سازش اور تنظیم کے تحت ہو رہا ہے جس سے مسلمانوں کی اکثریت ناآشنا ہے اس نازک صورتحال میں مسلمانوں کو اپنے تمام جزوئی وفروعی مسائل کو بالائے طاق رکھ کر اجتماعیت کی طرف توجہ دینی چاہئے۔

آپ دیکھئے کہ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں بڑی کثرت سے اتحاد کو قائم رکھنے اور آپسی خلفشار وانتشار سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے، مگر ان سب کے باوجود بھی ہمارے اندر خلفشار وانتشار عام مرض بن چکا ہے جو امت کو گھن کی طرح کھائے جا رہا ہے اور عصبیت کے روگ کی بو ہر جگہ محسوس ہوتی ہے، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کی روشن آیتیں اور پیارے رسول ﷺ کی احادیثِ مبارکہ اب ہمارے علم کا حصہ نہیں رہیں، البتہ جب ہم بعثت نبوی سے پہلے کے حالات کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت لوگ مختلف قبائل، خاندانوں اور جماعتوں اور علاقوں میں منقسم ومنتشر تھے لیکن اسلام کے آتے ہی اس نے ہمارے اندر ایسا عظیم اتحاد پیدا کیا کہ مدتوں کی خانہ جنگیوں کو یکلخت ختم کر کے الفت ومحبت میں ایسا فضا قائم کی جس کی وجہ سے محمود وایاز ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے۔ جیسا کہ قرآن اس بات پر شاہد ہے کہ ’’ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (آل عمران: ۱۰۳) سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑلو اور تفرقہ میں نہ پڑو اللہ کے اُس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اُس نے تمہارے دل جوڑ دیے اور اس کے فضل وکرم سے تم بھائی بھائی بن گئے، تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے، اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا۔ اس طرح اللہ اپنی نشانیاں تمہارے سامنے بیان کرتا ہے شاید کہ ان علامتوں سے تمہیں اپنی فلاح کا سیدھا راستہ نظر آجائے۔

مذکورہ آیت میں اللہ تعالی نے اتحاد واتفاق کو عظیم نعمت سے تعبیر کیا ہے اور اسے قائم رکھنے والی تین بنیادوں کی بھی وضاحت کردی ہے، پہلی بنیاد اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنا یعنی دین اسلام پر ثابت قدم رہنا، دوسری جو دین میں انتشار کا سبب بن سکتی ہوں ان سے دور رہنا، تیسری بنیاد اللہ تعالی کی عظیم نعمت کا احساس اور ہمیشہ ذکر وشکر کرنا کہ ذات باری تعالی نے ہمیں متحد کردیا، اسی کے کرم سے سالوں کی عداوتیں محبتوں میں تبدیل ہوگئیں، ورنہ ہمارے بس میں نہ تھا کہ ہم متحد ہو سکتے تھے، اسی لیے اللہ تعالی نے اپنے نبی کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَـٰكِنَّ اللّٰهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (سورہ الانفال: ۶۳)۔ اتحاد کا یہ حیرت انگیز نمونہ اس وجہ سے دیکھنے کو ملا تھا کیونکہ وہ وحدانیت الہ کی عظیم اساس پر اکٹھا ہوگئے تھے، ان کے اندر سے نسل پرستی کے سارے بھید بھاؤ

دور ہو گئے تھے، چنانچہ اسی اتحاد کی بنیاد پر اہل ایمان کی مٹھی بھر جماعت نے کفر کے ایوانوں میں زلزلہ بپا کر دیا تھا، وقت کی سپر پاور طاقت قیصر وکسری کو تخت وتاراج کر دیا تھا اور پوری دنیا میں اپنی فتح کا جھنڈا لہرا دیا تھا۔لیکن افسوس کہ آج امت مسلمہ کی اکثریت ان اصول وضوابط سے نابلد وناآشنا ہے اور شکم پروری ومال وزر کی محبت نے اللہ کی وحدانیت وربوبیت کے اقرار سے دور رکھتے ہوئے درگاہوں ،خانقاہوں کا طواف لگوانے پر مجبور کر دیا ہے۔

میرے بھائیو! آج بھی اگر ہم متحد ہو سکتے ہیں تو انہیں اصولوں کو اپنا کر جن کی بدولت وہ متحد ہوئے تھے، امام مالک رحمہ اللہ نے سچ کہا تھا:''لن يصلح آخر هذه الأمة إلا بما صلح به أوله'' اس امت میں بعد میں آنے والے لوگ انہیں اصولوں کو اپنا کر کامیاب ہو سکتے ہیں، جن اصولوں کو اپنا کو ان کے پیشرو کامیاب ہوئے تھے، اللہ تعالی نے سورہ انفال میں فرمایا:وَأَطِيعُوا اللهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ (سورۃ الانفال:۴۶)اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑو نہیں ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی صبر سے کام لو، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ۔ پتہ یہ چلا کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت نہ کرنے کی وجہ سے نزاع پیدا ہوتا ہے، اور نزاع، اختلاف اور باہمی چپقلش ہر میدان میں کمزوری کا سبب ہے، طبیعتوں میں اختلاف کا پایا جانا کوئی نئی بات نہیں البتہ اس کی صلح وصفائی کے لیے معیار اللہ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ یہ امت جن بنیادوں پر کل اکٹھا ہوئی تھی آج بھی انھیں بنیادوں پر متحد ہوسکتی ہے اسی وجہ سے رب کائنات کے فرامین کو زندگی کے تمام معاملہ میں قول فیصل تسلیم کرنے کا تاکیدی حکم دیتے ہوئے اللہ سبحانہ وتعالی نے ارشاد فرمایا کہ:فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا(سورہ النساء:۶۵)قسم ہے تیرے پروردگار کی ! یہ مومن نہیں ہوسکتے ،جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں ،پھر جو فیصلے آپ ان میں کردیں ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کرلیں۔غرض یہی ایمان کی علامت اور مومنین کی شناخت وپہچان ہے۔ کہ مسلمان کتاب وسنت کو اپنے لئے حرز جاں بنالیں اور نبی کے فرامین پر عمل ہوجائیں۔

اتحاد بین المسلمین آج عالم اسلام کا اہم ترین مسئلہ ہے۔اس کو اپنی عملی زندگی میں نافذ کرلو، کیونکہ عصر حاضر میں اسلام دشمن طاقتیں طرح طرح کی دسیسہ کاریوں کے ذریعے مسلمانوں کے درمیان تفرقہ اندازی کر رہی ہیں جبکہ امت مسلمہ کی کامیابی کا راز صرف اور صرف اس کی وحدت میں ہے اور آپسی اختلافات کو نظر انداز کر کے ایک پلیٹ فارم پر آجانے میں ہے۔

بقول شاعر مشرق:

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک کیا بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں! کیا زمانہ میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں ؟

+++

ماہ صفر کی حقیقت

عبداللہ محمد امتیاز سلفی

ماہ صفر کو اسلام سے پہلے اہل عرب نحس سمجھتے اور اس سے شگون بد لیتے تھے۔ اسلام نے اس عقیدہ کو باطل ٹھہرایا، لیکن آج بھی مسلمانوں کا ایک طبقہ اس ماہ کو اچھا نہیں سمجھتا۔ یہی سبب ہے کہ محرم اور صفر میں شادی بیاہ اور اس قسم کی تقریبوں سے حتی الامکان احتراز کیا جاتا ہے۔ محرم میں خوشی کی تقریب اس لیے نہیں ہوتی کہ وہ غم کا مہینہ خیال کیا جاتا ہے اور ماہ صفر میں اس وجہ سے کہ وہ نحس اور مصیبتوں کا مہینہ ہے۔ یہ خیال اہل جاہلیت کا تھا جو بعض مسلمانوں میں ابھی تک قائم ہے۔ وہ اس کا نام ''تیرہ تیزی'' رکھتے ہیں۔ اس کے شروع کے تیرہ دنوں میں یہ نجومی وغیرہ کی باتوں کو نہایت عقیدت مندی کے ساتھ تسلیم کرتے ہیں۔

ماہ صفر کو منحوس سمجھنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ جس کام میں نقصان ہوا، اسے ماہ صفر کی نحوست کے طور پر ذکر کیا جانے لگا۔ فلاں شخص نے تیرہ تیزی میں یہ کام کیا تو اسے یہ نقصان ہوگیا۔

صفر کی تشرح کرتے ہوئے شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ یہ ایک بیماری ہے جو پیٹ کے اندر پیدا ہوتی ہے جس سے انسان کا چہرہ زرد ہو جاتا ہے اور کبھی وہ مرجاتا ہے یا کوئی ایسا کیڑا ہے جو پیٹ میں پرورش پاتا ہے۔

ابن اثیر نے نہایہ کے اندر لکھا ہے کہ اسلام سے پیشتر اہل عرب کا گمان تھا کہ پیٹ کے اندر سانپ ہوتا ہے جو آدمی کو بھوک کی حالت میں کاٹتا ہے۔ بخاری کی شرح میں کرمانی نے لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ سانپ ہے جو خارش سے زیادہ بڑھنے والا ہوتا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ان کے خیال کے مطابق صفر پیٹ میں وہ کیڑے ہوتے ہیں جو بھوک کے وقت جوش میں آتے ہیں اور بعض دفعہ مار ڈالتے ہیں۔ غرض اینکہ صفر کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔

ماہ صفر سے شگون بد لینے کی ممانعت حدیثوں سے ثابت ہے: "عن جابر رضي الله عنه قال سمعت رسول الله ﷺ لا عدوى ولا صفر ولا غول". (مسلم:۲۲۲۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ نہ بیماری کا لگنا ہے (یعنی بیماری موثر فی الذات نہیں) نہ صفر کی نحوست ہے اور نہ ہی غول۔

ایک دوسری حدیث میں ہے: "عن أبي هريرة قال: لا عدوى ولا صفر ولا هامة فقال أعرابي يا رسول الله! فما بال ابل تكون في الرمل كأنها انطباء فيأتي البعير الأجرب فيدخل فيها فجربها

قال فمن أعدى الأول". (صحیح مسلم:۲۲۲۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: نہ بیماری کا لگنا ہے، نہ نحوست (صفر کی) ہے اور نہ ہامہ کی نحوست ہے، یہ سن کر ایک بدوی نے کہا یا رسول اللہ پھر کیا بات ہے کہ جب کوئی خارشی اونٹ، اونٹوں میں مل جاتا ہے تو سب کو خارشی کر دیتا ہے، آپ نے فرمایا کہ پہلے اس کو کس نے خارشی کیا؟

بخاری کی روایت میں ہے کہ: "لا عدوى ولا طيرة ولا هامة ولا صفر" نہ بیماری کا لگنا ہے، نہ بدشگونی، نہ الو کی نحوست، نہ ہی صفر کی بدفالی۔ (صحیح بخاری:۵۷۰۷)

ہم یہاں ہر ایک کی مختصر تشریح کرتے ہیں:

عدوی: علت اور عادت کا ایک دوسرے میں اثر کرنا یعنی کسی کو اپنے ساتھی کی ہم نشینی، ہمسائیگی اور اختلاط سے وہی بیماری پیدا ہو جائے جو اس کے ساتھی کو لاحق ہے، کیوں کہ اہل عرب کا اعتقاد کامل تھا کہ بیماری مؤثر فی الذات اور اڑ کر لگنے والی شئی ہے، اسی وجہ سے اس بدوی نے تعجب کے ساتھ کہا تھا کہ جب خارشی اونٹ اور اونٹوں میں مل جاتا تو سب کو خارشی بنا دیتا ہے، اس کا جواب حضور اقدس ﷺ نے دیا کہ پہلے خارشی اونٹ کو کس نے بیمار کیا، اس بدو کے جواب سے یہ ثابت ہے کہ وہ اپنے اعتقاد میں بیماری کو مؤثر سمجھتا تھا نہ اللہ کی مشیت کو، لہذا اس باطل عقیدے کی تردید فرمائی گئی۔

الطيرة: وہ پرندہ جس سے بدفالی لی جاتی جیسا کہ اہل عرب کوے وغیرہ سے بدفالی لیتے تھے۔ اس عقیدہ کو اسلام نے باطل ٹھہرا دیا۔

الهامة: بعض اہل عرب کا خیال تھا کہ مردوں کی ہڈیاں بوسیدہ ہو کر ہامہ بن جاتی ہیں، یا اس سے مراد وہ پرندہ جو رات کو اڑتا ہے یا اس سے مراد الو ہے، اہل جاہلیت اسے منحوس مانتے تھے اور افسوس کہ آج بعض کمزور عقیدہ کے مسلمان بھی اس جانور کو منحوس مانتے ہیں کہ یہ جس گھر پر بیٹھ جائے یا بول دے تو وہ گھر اجڑ جاتا ہے یا وہاں کا کوئی مر جاتا ہے۔

غول: اہل جاہلیت کا اعتقاد تھا کہ غول وہ حیوان ہے جو بعض وقت راستہ میں سامنے آ کر لوگوں کو بہکاتا اور ہلاک کر ڈالتا ہے یا بھوت وغیرہ۔

اس قسم کے بہت سے باطل عقیدے تھے، اسلام نے جس کی تردید فرمائی مگر افسوس اب تک ماہ صفر کو خصوصا پہلی تاریخ سے لے کر پندرہ تک منحوس سمجھا جاتا ہے۔ ماہ صفر کا آخری چہار شنبہ دافع البلا خیال کیا جاتا ہے اور بعض شہروں میں بہت زوروں کا میلا لگتا ہے۔ یہ عقیدہ بالکل لغو ہے اور خلاف تعلیم اسلامی ہے۔

☆☆☆

زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں

محمد غفران بن عبید الرحمٰن/فضیلت سال دوم

دنیا کی ہر قوم وملت کی تاریخ عروج وزوال پر مبنی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ وہ ایک قوم کو عروج وکمال سے سرفراز فرماتا ہے تو دوسری قوم کو زوال سے دوچار کرتا ہے، اور اس عروج وزوال کے کچھ اسباب بھی ہیں چنانچہ جو قوم قانون الٰہی کی پاسداری کرتے ہوئے عروج وزوال کی ضامن بنیادی باتوں پر عمل پیرا رہتی ہے اسے دنیا کی سیادت وقیادت نصیب ہوتی ہے، اس کے برعکس جو قوم اپنی غفلت وبے حسی کی بنیاد پر کتاب وسنت کے احکام وفرامین کو پس پشت ڈال کر اور نفسانی خواہشات کی غلام بن کر معاصی ومنہیات کا ارتکاب کرتی ہے تو وہ ذلت وپستی، نکبت وادبار اور زوال وانحطاط کا شکار ہو کر دنیا کے لیے نمونۂ عبرت بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس ضابطہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: "وتلك الأيام نداولها بين الناس" (۱) ہم ان دنوں کو لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں۔ (جونا گڈھی)

چنانچہ اسی قانون فطرت کے مطابق امت مسلمہ بھی عروج وزوال سے دوچار ہوئی اور اس پر ایک ایسا سنہرا وقت بھی گزرا کہ آدھی دنیا پر اس کی حکمرانی تھی اور اس کا ستارہ بام عروج پر تھا پھر اس امت کے بھی تنزل کا آغاز ہوا اور کل تک جو قوم حاکم تھی وہ محکوم بن کر زوال کا شکار ہو گئی۔

اس لیے ایک مسلمان کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ امت مسلمہ کے اسباب زوال کو تلاش کرکے لوگوں کے سامنے بیان کرے تاکہ امت مسلمہ پچھلی غلطیوں کا تدارک کرکے عروج کی طرف گامزن ہو اور انسانیت کے توقعات کو پورا کرے۔

مسلمانوں کے عروج کا مختصر جائزہ:

بعثت نبوی سے قبل عربوں کی حالت بہت ہی خراب تھی، ہر قسم کی اخلاقی، سماجی اور سیاسی برائیاں ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری تھیں، بات بات پر تلواریں نکال لینا ان کی فطرت میں داخل تھا اور پھر ایک لمبے عرصہ تک قتل وخونریزی کا بازار گرم رہتا، ''اوس وخزرج'' کی مثال اس کے لیے کافی ہے۔ تاہم اس امر میں کوئی شک نہیں کہ وہ متمدن ضرور تھے لیکن ان کا یہ تمدن اور کارنامے صرف عرب تک محدود تھے، اور ایک زمانہ عربوں پر ایسا بھی آیا کہ خارجی طاقتیں ان پر مسلط ہو گئی تھیں اور ان پر اپنی حکومت قائم کرکے انہیں ذلیل ورسوا کر رکھا تھا۔

لیکن جب اسلام کا آفتاب روشن ہوا تو تھوڑے ہی عرصہ میں جزیرۃ العرب سے اٹھنے والی یہ کرنیں پورے عالم کو منور کرنے لگیں، اور اہل عرب جو مختلف فرقوں اور قبیلوں میں متفرق تھے ان سب کو ایک قوم بنا دیا، ان کی وحشیانہ زندگی کو متمدن بنا دیا، سخت دلوں کو نرم بنا دیا اور بت پرستوں کو خدائے واحد کے سامنے جھکا دیا۔ چنانچہ اس اندرونی تبدیلی سے ان کے اندر ایسی طاقت پیدا ہو گئی کہ وہ عزت وشان، علم وہنر اور دولت وثروت کی انتہائی بلندی پر پہنچ گئے اور آپ کی وفات کے چند سالوں بعد

(۱) سورۃ آل عمران: ۱۴۰

ہی جزیرۃ العرب سے نکل کر اس رفتار سے آگے بڑھے کہ پہلی صدی ہجری کے ختم ہونے سے پہلے آدھی دنیا کو فتح کر لیا، اور اسلامی فتوحات کا سلسلہ اس قدر وسیع ہوا کہ سمندر کا علاقہ ''اندلس'' بھی مسلمانوں کے زیر نگیں آ گیا اور آٹھ صدیوں تک اس کا مشہور شہر ''غرناطہ'' یورپ میں علم و تہذیب کا مینارہ بنا رہا۔ چنانچہ ''نپولین'' سینٹ سیلن میں ہمیشہ یہ حیرت سے کہا کرتا تھا کہ ''عربوں نے دنیا کو صرف پچاس سال میں فتح کر لیا''۔(۱)

چنانچہ مسلمانوں نے مفتوحہ علاقوں میں صرف سیاسی طاقت وقوت حاصل نہیں کی بلکہ علوم وفنون، ایجادات واختراعات، تہذیب نفس اور نظام اخلاق کی ترتیب وتدوین میں اپنی ذہنی ودماغی عظمت وبرتری اور مافوق العادۃ عملی جدوجہد کا ایسا عمدہ ثبوت پیش کیا کہ اسلام کی حقانیت اور اسلامی تہذیب وتمدن کی ناقابل رد دلکشی کے سامنے دوسری قومیں جبین اطاعت خم کرنے پر مجبور ہو گئیں، نتیجہ یہ ہوا کہ چند ملکوں کو چھوڑ کر تمام مفتوحہ ممالک خالص اسلامی ملک بن گئے اور نبی ﷺ کی یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف صادق آئی: "إن الله زوى لي الأرض فرأيت مشارقها ومغاربها وإن أمتي سيبلغ ملكها ما زوي لي منها" (۲) یعنی: اللہ نے زمین کو میرے لیے سمیٹ دیا پس میں نے اس کے مشرقی ومغربی علاقہ کو دیکھا اور عنقریب میری امت کا دائرۂ اقتدار وہاں تک پہنچے گا جہاں تک میرے لیے زمین سکیڑ دی گئی ہے۔

چنانچہ اس نبوی پیشین گوئی کے مصداق حکمرانی کی یہ وسعت بھی مسلمانوں کے حصہ میں آئی، اور اسلامی سلطنت کا طول ''کاشغر'' سے ''سوس اقصیٰ'' تک ہو گیا جو ساحل بحر ظلمات پر واقع ہے، مقدسی کے بیان کے مطابق (۲۶۰۰) فرسخ تھا، اور عرض ''بحیرۂ قزوین'' سے ''نوبیا'' تک ہو گیا، جس میں بڑے بڑے ممالک شامل تھے اور جن میں متعدد ولایات تھیں۔(۳)

لیکن یہ وعدہ توحید وایمان اور تقویٰ واعمال صالحہ کے ساتھ مشروط تھا اس لیے جب مسلمان ایمان میں کمزور اور عقیدہ توحید میں منحرف اور عمل صالح میں کوتاہی کے مرتکب ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی عزت کو ذلت میں، اقتدار وغلبہ کو محکومی وغلامی میں، عروج وکمال کو تنزل وانحطاط میں اور امن وامان کو خوف ودہشت میں بدل دیا۔ چنانچہ اسلام کی حالت اس نبوی پیشین گوئی کے مطابق ہو گئی: "بدأ الإسلام غريبا وسيعود غريبا كما بدأ فطوبى للغرباء" (۴) یعنی: اسلام کا آغاز اجنبیت میں ہوا اور عنقریب وہ آغاز ہی کی طرح اجنبی ہو جائے گا، پس غرباء کے لیے نوید جانفزا ہے۔

اس حدیث میں اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ اسلام غلبہ وقوت اور عروج وکمال کے بعد کمزور اور زوال پذیر ہو جائے گا اور پوری شوکت وسطوت کے بعد اس پر اضمحلال وانحطاط طاری ہو جائے گا۔

ہماری اسی زبوں حالی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نبی ﷺ نے پیشین گوئی بھی فرمائی تھی: "يوشك الأمم أن تداعى عليكم كما تداعى الآكلة إلى قصعتها، فقال قائل: ومن قلة نحن يومئذ؟ قال: بل أنتم كثير

(۱) اسباب زوال امت: ص ۷۸
(۲) صحيح مسلم: كتاب الفتن واشراط الساعة، باب هلاك هذه الأمة بعضهم ببعض (۷۲۵۸) ص ۱۲۵۰
(۳) تاریخ الامت ۴/۲۹
(۴) صحيح مسلم: كتاب الإيمان، باب أن الإسلام بدأ غريبا وسيعود غريبا...... (۳۷۲۰) ص ۵۷۴

ولكنكم غثاء كغثاء السيل ولينزعن الله من صدورعدوكم المهابة منكم وليقذفن الله في قلوبكم الوهن، فقال قائل يا رسول الله! ما الوهن؟قال: حب الدنيا وكراهية الموت"(۱) یعنی: عنقریب ایک ایسا وقت آئے گا کہ ساری قومیں اس طرح تم پر ٹوٹ پڑیں گی جس طرح کھانے والے پیالوں پر ٹوٹ پڑتے ہیں، کسی صحابی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا ان دنوں ہماری تعداد کم ہوگی؟ آپ نے فرمایا: نہیں، بلکہ تم لوگ اس وقت بہت بڑی تعداد میں ہوگے لیکن تمہاری حقیقت سیلاب میں بہتے جھاگ کی طرح بے حقیقت ہوگی اور اللہ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب ودبدبہ نکال دے گا اور اللہ تمہارے دلوں میں ''وھن'' ڈال دے گا، کسی صحابی نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! ''وھن کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: دنیا سے محبت اور موت سے نفرت۔

دور حاضر میں مسلمانوں کی زبوں حالی اس پیشین گوئی کے مصداق ہے کہ اسلام اور مسلمانوں پر چہار جانب سے رکیک حملے اور فکری یلغار ہورہی ہے اور تقریباً ۵۷ مسلم ممالک بالکل ذہنی وفکری طور پر مفلوج ہوکر رہ گئے ہیں جبکہ ساری طاغوتی طاقتیں مسلمانوں کے خلاف صف آراء اور متحد نظر آتی ہیں۔

اور گزشتہ حدیث میں مسلمانوں کے تنزل وزوال کے ساتھ اس کے بنیادی سبب سے بھی بخوبی آگاہ کردیا گیا ہے کہ مسلمانوں کی ترقی وسرفرازی اور غلبہ وسطوت کا راز درحقیقت ایمان اور عمل صالح والی زندگی میں مضمر ہے اور ان کے زوال وانحطاط کا بنیادی سبب دینی تعلیمات اور احکام شرعیہ سے سرتابی اور غفلت ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے﴿ولا تهنوا ولا تحزنوا وأنتم الأعلون إن كنتم مؤمنين﴾(۲) یعنی: تم نہ سستی کرو اور نہ غمگین ہو تم ہی غالب رہوگے اگر تم ایماندار ہو۔(جوناگڈھی)

اسی طرح دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا مومنوں سے یہ وعدہ ہے کہ وہ توحید خالص اور ایمان وعمل کے ساتھ زندگی گزارنے والوں کو دنیا میں سیادت وقیادت عطا فرمائے گا اور اسلام کو سربلند کرے گا اور مسلمانوں کو امن وامان سے سرفراز فرمائے گا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:﴿وعد الله الذين آمنوا منكم وعملوا الصالحات ليستخلفنهم في الأرض كما استخلف الذين من قبلهم وليمكنن لهم دينهم الذي ارتضى لهم وليبدلنهم من بعد خوفهم أمنا يعبدونني لا يشركون بي شيئا﴾(۳) یعنی: تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کئے ہیں اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکا ہے کہ انہیں ضرور ملک کا حاکم بنائے گا جیسے کہ ان لوگوں کو حاکم بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے اور یقیناً ان کے لیے اس دین کو مضبوطی کے ساتھ جمادے گا جسے ان کے لئے وہ پسند فرما چکا ہے اور ان کے لیے اس خوف وخطر کو وہ امن وامان سے بدل دے گا، وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرائیں گے۔(جوناگڈھی)

قرآن کے اس اعلان عام کے بعد اللہ کا یہ وعدہ محض صحابہ کرام کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر دور کے مسلمانوں کے لیے ہے، البتہ یہ بات ضرور ہے کہ عہد خلافت راشدہ اور خیر القرون کے زمانہ میں اس وعدۂ الٰہی کا مکمل ظہور ہوا اور مسلمانوں کو عروج وغلبہ عطا ہوا کیونکہ ان کے اندر وہ تمام صفات عالیہ موجود تھیں جن کی بناء پر اللہ نے سربلندی اور استخلاف فی الارض کا

(۱) سنن ابی داود: کتاب الملاحم، باب فی تداعی الأمم علی الإسلام (۴۲۹۷) ص ۷۶۹ وصححہ الألبانی رحمہ اللہ

(۲) سورۃ آل عمران: ۱۳۹ (۳) سورۃ النور: ۵۵

وعدہ کیا ہے لیکن اس کے بعد جس زمانہ میں جس قدر مسلمان اسلامی تعلیمات سے دور ہوتے گئے ان کے اندر زوال آتا گیا اور اب مسلمانوں کی زبوں حالی ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔

کیا غربت وافلاس زوال امت کا سبب ہے؟

آج بہت سے مفکرین اور دانشوران قوم وملت کی جانب سے مسلمانوں کے زوال وانحطاط کے صرف ظاہری اسباب بیان کیے جاتے ہیں اور یہ باور کرایا جاتا ہے کہ زوال امت کی سب سے بڑی وجہ غربت وافلاس ہے، تو آیئے اس دعویٰ کا تجزیاتی جائزہ لیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ کہاں تک اس دعوی میں صداقت ہے؟

☆ اسلام وکفر کا سب سے پہلا معرکہ غزوۂ بدر (۲ھ) ہے جس میں مسلمانوں کی تعداد صرف تین سو تیرہ تھی اور وہ بھی بڑی کسمپرسی کی حالت میں تھے حتی کہ آلات حرب وضرب سے بھی مکمل طور پر لیس نہیں تھے جبکہ دوسری طرف کفار ومشرکین کی ایک ہزار فوج تھی جو مکمل طور پر ساز وسامان اور جنگی اسلحوں سے لیس تھی لیکن مسلمان غربت وافلاس کے باوجود اپنی ایمانی جذبہ، توحید کی رمق اور اطاعت نبوی کے طفیل اللہ کی مدد سے ان پر فتح یاب ہوئے اور یہ حق وباطل کا پہلا معرکہ تھا جس میں مسلمانوں کو غربت وافلاس کے باوجود عروج حاصل ہوا۔

☆ غزوۂ احد (۳ھ) میں بھی مسلمانوں کی تعداد کفار کے مقابلہ میں صرف ایک ہزار تھی، جن میں صرف سو لوگ زرہ پوش تھے اور دو گھوڑ سوار تھے لیکن پھر بھی مجموعی طور پر غزوۂ بدر سے حالت بہتر تھی، جبکہ ان کے مقابل کفار ومشرکین کی تعداد پانچ ہزار تھی جس میں تین ہزار اونٹ، دو سو گھوڑے اور سات سو زرہ پوش تھے۔(۱) نتیجہ اس میں بھی مسلمانوں کے حق میں رہا لیکن جب تیر اندازوں نے حکم نبوی سے سرتابی کی اور مال ودولت کی لالچ میں پڑ گئے تو یہی جیتی ہوئی جنگ شکست میں بدل گئی۔(۲) اور یہ بھی پہلا معرکہ تھا جس میں مسلمانوں کی حالت غزوۂ بدر کی بہ نسبت بہتر تھی لیکن حکم نبوی سے سرتابی کی وجہ سے ہزیمت اٹھانی پڑی اور عروج ملنے کے بعد بھی زوال پذیر ہونا پڑا۔

☆ غزوۂ خندق (۵ھ): اس غزوہ میں عرب کے بہت سارے قبائل نے متحد ہو کر مدینہ پر چڑھائی کی تھی اور ان کی تعداد دس ہزار سے چوبیس ہزار تک بتائی جاتی ہے اور وہ آلات حرب وضرب سے پوری طرح لیس تھے اس کے بالمقابل مسلمان صرف تین ہزار تھے۔(۳) اور وہ بھی تنگ دستی اور غربت وافلاس کے مارے ہوئے، جس کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جاسکتا ہے: عن أبی طلحة قال:شكونا إلى رسول الله ﷺ الجوع ورفعنا عن بطوننا عن حجر، فرفع رسول الله ﷺ عن حجرين" (۴) حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بھوک کی شکایت کی اور کہا کہ اس کی وجہ سے ہم نے پیٹ پر پتھر باندھ رکھا ہے تو آپ نے بھی اپنا شکم مبارک کھول دیا جس پر دونوں جانب دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔

لیکن اس فقر وفاقہ اور تنگ دستی کے عالم میں بھی مسلمان فتح یاب ہوئے اور کفار ومشرکین محاصرہ اٹھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

(۱) سیرت ابن ہشام ۲/۸۲ (۲) پیغمبر عالم ص ۲۸۷ (۳) سیرت ابن ہشام ۴/۹۵
(۴) سنن الترمذی: کتاب الزھد، باب ماجاء فی معیشۃ النبی ﷺ (۲۳۷۱) ص ۵۳۴، وحسنہ الحافظ زبیر علی زئی فی ''شمائل ترمذی'' (۳۷۲) ص ۳۷۲

☆ غزوۂ حنین (۸ھ): اس جنگ میں اہل ہوازن پورے لاؤلشکر کے ساتھ تیس ہزار کی تعداد میں تھے (۱)، جبکہ ان کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد بارہ یا چودہ ہزار تھی (۲) اور ان کی تنگی وبدحالی کا عالم یہ تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے صفوان بن امیہ سے جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے سوزر ہیں بطور عاریۃً لیا تھا، اس کے علاوہ عبداللہ بن ربیعہ سے تیس ہزار درہم قرض لیا تھا۔ (۳) لیکن اس میں بھی مسلمان حکم الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کردینے کی وجہ سے فاتح ہوئے اور ان کے عروج میں مزید ترقی ہوئی۔

☆ غزوۂ تبوک (۹ھ): جب اللہ کے رسول ﷺ نے شاہِ روم قیصر کا مسلمانوں سے مقابلہ کے لیے جنگی تیاریوں کا حال سنا تو آپ نے بھی جنگ کا اعلان کردیا، اس وقت مسلمان قحط سالی کی وجہ سے نہایت عسرت وتنگی کی زندگی بسر کررہے تھے، غربت کا یہ عالم تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ کو اہل خیر صحابہ سے چندے کی اپیل کرنی پڑی لیکن صحابہ کرام کی ایثار وقربانی کے باوجود بہت سارے لوگوں کی سواریوں کا انتظام نہ ہوسکا، چنانچہ صحابہ کرام نے اس سفر میں بڑی تکلیفیں اٹھائیں، سواریوں کی قلت کی وجہ سے ایک ایک اونٹ پر تین تین کرکے اٹھارہ آدمی باری باری سوار ہوتے، زادِراہ اور پانی کی قلت سے بسا اوقات درختوں کے پتے کھانے پڑے جس سے ان کے ہونٹ سوج آئے، شدت پیاس کی حالت میں اونٹوں کو ذبح کرکے ان کے پیٹ کا پانی نچوڑ کر پینا پڑا، کھانا پانی اور سواری تینوں قسم کی عسرت کا سامنا ہوا، جس کی وجہ سے اس لشکر کا نام ''جیش العسرۃ'' رکھا گیا لیکن ان سب تکالیف کے باوجود صحابہ کرام نے حکم نبوی پر آمنا وصدقنا کہا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رومیوں پر اسلامی لشکر کا رعب ودبدبہ چھا گیا اور وہ مقابلہ کی ہمت نہ کرسکے اور اس علاقہ کے لوگ جزیہ دے کر صلح پر آمادہ ہوگئے اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غربت وافلاس اور تنگی کے باوجود جنگ کئے بغیر ہی فتح وکامرانی عطا کی۔

اس کے علاوہ اور بہت ساری جنگیں ہیں جن میں مسلمان اپنی غربت وافلاس کے باوجود ہمیشہ دشمنوں پر غالب رہے اور عروج کی طرف گامزن رہے لہٰذا اگر غربت وافلاس امت مسلمہ کے زوال کا سب سے بڑا سبب ہوتا تو صحابہ کرام کو کبھی عروج نہ ملتا کیونکہ ان کی زندگی اکثر غربت وافلاس ہی میں گزری لیکن اس کے باوجود وہ ہمیشہ فاتح وکامران رہے جیسا کہ مندرجہ بالا سطور میں غزوات کے تذکرے سے یہ بات بالکل ظاہر وعیاں ہوچکی ہے، لیکن ان سب باتوں کے باوجود غربت وافلاس کو زوال امت کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب مانا گیا ہے حالانکہ یہ کوئی ایسا سبب نہیں کہ جس کی وجہ سے یہ امت صرف تنزل ہی میں ترقی کرے اور اس بات کی توثیق قرآن کریم کے اس آیت سے بھی ہوتی ہے:" ومن يتق الله يجعل له مخرجا ويرزقه من حيث لا يحتسب" (۴) اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے چھٹکارے کی شکل نکال دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جس کا اسے گمان بھی نہ ہو۔ (جوناگڈھی)

اس آیت کریمہ سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ زوال امت کا سبب غربت نہیں بلکہ کچھ اور ہے جیسا کہ علامہ اقبال رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

سب کچھ اور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں (۵) (جاری)

(۱) سیرۃ النبی ﷺ: ۱/۵۳۱ (۲) البدایۃ: ۴/۳۲۵
(۳) سیرت ابن ہشام ۲/۴۴۰ (۴) سورۃ الطلاق: ۲-۳ (۵) کلیات اقبال: ضرب کلیم ص ۱۰

عالم اسلام

ظل الرحمٰن سلفی رسنٹرل لائبریری

مکہ مکرمہ کی سمت میزائیل داغنے کی پرزور مذمت:

مورخہ ۲۸/اکتوبر بروز جمعہ کو یمن میں حکومت کے خلاف سرگرم ایران نواز حوثی باغیوں کے ذریعہ مکہ مکرمہ کی جانب بیلسٹک میزائل حملے کی ناکام مجرمانہ کوشش پر عالم اسلام نیز بالخصوص عرب ممالک کی جانب سے نہایت ہی سخت غم وغصے کا اظہار کیا جارہا ہے اور عالمی پیمانہ پر اس کی پرزور مذمت کی جارہی ہے۔ الحمدللہ سعودی قیامت والی اتحادی فورسز نے کمال مستعدی وچابکدستی کے ساتھ مقدس شہر سے ۶۵ کلومیٹر پہلے ہی فضا میں اس میزائل کو تباہ کردیا۔

مکہ مکرمہ کو راکٹ کے ذریعہ نشانہ بنانے کی مجرمانہ کوشش کے بعد پورے عالم اسلام کی طرف سے سعودی عرب کے لئے اظہار یکجہتی میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔ خلیجی تعاون کونسل نے مکہ پر راکٹ حملے کی کوشش کو کروڑوں مسلمانوں کے جذبات کو مشتعل کرنے کی گھناؤنی سازش قرار دیتے ہوئے عالمی برادری سے حوثیوں کے خلاف سخت پالیسی اختیار کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔

سعودی عرب کے وزیر خارجہ عادل الجبیر نے کہا ہے کہ مکہ مکرمہ پر میزائیل حملے کی سازش کے پیچھے ایران کا ہاتھ ہے، جو یمن کے حوثی باغیوں کو اس نوعیت کا اسلحہ فراہم کررہا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ حوثیوں نے دراصل مکہ معظّمہ کو نہیں بلکہ خانۂ کعبہ کو نقصان پہنچانے کی نہایت ناپاک ومذموم کوشش کی ہے۔

اسی طرح متحدہ امارات کے وزیر خارجہ عبداللہ بن زاید نے ایک بیان میں کہا ہے کہ ایرانی رجیم ایک طرف خود کو عالم اسلام کا نمائندہ قرار دینے کا دعویٰ کرتا ہے اور دوسری طرف وہ مکہ معظّمہ پر راکٹ برسانے کے لئے یمن کے حوثی شدت پسندوں کی حمایت ومدد بھی فراہم کررہا ہے۔ بحرین اور قطر کی طرف سے بھی مکہ مکرمہ پر حوثیوں کے راکٹ حملے کی شدید الفاظ میں مذمت کے ساتھ حوثی دہشت گردی کے خلاف جنگ میں سعودی عرب کا ساتھ دینے کے عزم کا اعادہ کیا گیا ہے۔ قطر میں سپریم کونسل کی جانب سے جاری کردہ ایک بیان میں مکہ مکرمہ پر راکٹ حملے کی کوشش کو عالم اسلام پر حملے کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔

مصر کی سب سے عظیم درسگاہ جامعہ الازہر کی طرف سے جاری ایک بیان میں مکہ مکرمہ پر راکٹ حملے کی سازش کی شدید الفاظ میں مذمت کے ساتھ سعودی عرب کی مکمل حمایت کا اظہار کیا گیا ہے۔ بیان میں کہا گیا ہے کہ مکہ مکرمہ کو میزائیل سے نشانہ بنانے والے ایمان سے عاری ہیں۔ ایسا مجرمانہ اور خبیث جرم وہی عناصر کرسکتے ہیں جن کے دل میں رتی برابر بھی ایمان نہ ہو۔ بیان میں مزید کہا گیا ہے کہ جامعہ الازہر حوثی باغیوں کی طرف سے مکہ کی طرف راکٹ حملے کئے جانے کو تمام حدیں پھلانگنے اور مسلمانوں کے قبلہ وکعبہ کو نشانہ کی سازش سے تعبیر کرتا ہے۔ نیز مصر کے مفتی اعظم ڈاکٹر شوقی علام نے بھی ایک بیان میں حوثی ملیشیا کی طرف سے مکہ مکرمہ پر راکٹ حملے کی شدید مذمت کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ مکہ پر راکٹ حملہ فساق وفجار کی کارستانی ہوسکتی ہے۔ جو اللہ کی حرمت کا خیال رکھنے کے بجائے اسے خطرے میں ڈالنے کی مجرمانہ کوشش کرتے ہیں۔

تحریک النھضۃ کے سربراہ علامہ راشد کا کہنا ہے کہ مکہ مکرمہ پر یمن کی الصعدہ کے علاقے سے باغیوں کی جانب سے راکٹ داغنا انتہائی قبیح اور مجرمانہ حرکت ہے جس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔ ☆☆

اخبار جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس

ناظم اعلیٰ کی اساتذۂ کرام کے ساتھ ایک میٹنگ:

۹/اکتوبر ۲۰۱۶ء بروز اتوار ۱۲/بجے (دن) محترم ناظم اعلیٰ فضیلۃ الشیخ عبداللہ سعود حفظہ اللہ کی طلب پر ایک نشست منعقد ہوئی، جس میں تعلیمی کمیٹی کے اراکین اور جدید کلیات (کلیۃ الحدیث، کلیۃ الشریعۃ، کلیۃ الدعوۃ) میں پڑھانے والے اساتذۂ کرام حفظہم اللہ نے شرکت فرمائی۔

اس نشست میں محترم ناظم اعلیٰ حفظہ اللہ نے تینوں کلیات کے نصاب تعلیم اور اس کی تدریس کا جائزہ لیتے ہوئے کلیہ میں پڑھانے والے اساتذہ کرام حفظہم اللہ سے فرداً فرداً معلومات حاصل کی۔ جملہ اساتذۂ کرام نے کلیہ کے موجودہ نصاب تعلیم کو طلبہ کے لیے مفید ومناسب اور معیاری واطمینان بخش قرار دیا، البتہ کچھ پریشانیاں اور چند کتابوں کے تعلق سے تبدیلی کا مشورہ دیا گیا، جسے محترم ناظم اعلیٰ حفظہ اللہ نے قبول فرمایا اور فوری طور پر اس پر عمل کرنے کی ہدایت شیخ الجامعہ فضیلۃ الشیخ محمد یونس مدنی حفظہ اللہ کو فرمائی۔ اخیر میں محترم ناظم اعلیٰ حفظہ اللہ نے جملہ اساتذہ کرام حفظہم اللہ کی تدریس پر اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے انہیں دعائیں دی۔

دارالافتاء میں میٹنگ:

۲۰/اکتوبر ۲۰۱۶ء بروز جمعرات بعد نماز مغرب زیر صدارت محترم ناظم اعلیٰ فضیلۃ الشیخ عبداللہ سعود سلفی حفظہ اللہ ایک میٹنگ ہوئی، جس میں دارالافتاء کے جملہ اراکین اور جامعہ کے چند ذمہ دار اساتذہ کرام حفظہم اللہ نے شرکت فرمائی۔ میٹنگ میں ''مسلم پرسنل لابورڈ'' کی طرف سے آئے ہوئے چند سوالات (طلاق ثلاثہ، حلالہ، تعدد ازدواج) پر تبادلۂ خیال کیا گیا اور غور وخوض کے بعد درج ذیل تجاویز پاس کئے گئے۔

(الف) قانون شریعت کی حفاظت اور یکساں سول کوڈ کی مخالفت میں مسلم پرسنل لا کی ہم تائید وحمایت کرتے ہیں اور اس کی طرف سے جاری کردہ دستخطی مہم سے اتفاق کرتے ہیں۔

(ب) مسلم پرسنل لا کی طرف سے جاری کردہ توثیقی دستخط فارم کو زیادہ سے زیادہ عام کر کے کثیر تعداد میں دستخط کروا کر مسلم پرسنل لا بورڈ کو بھیجا جائے اور اس سلسلہ میں ہر ممکن کوشش کی جائے۔

جامعہ میں ڈاکٹر عبدالرحمٰن لیثی حفظہ اللہ کی آمد:

تفسیر وعلوم قرآن کے نصاب تعلیم ومنہج تعلیم مرتب کرنے والی کمیٹی کے صدر ڈاکٹر عبدالرحمٰن لیثی حفظہ اللہ ۲۱/اکتوبر بروز جمعہ جامعہ سلفیہ بنارس تشریف لائے، جامعہ میں دو دن تک آپ کا قیام رہا، دوران قیام متعدد نشستوں میں مذکورہ کمیٹی کے رکن فضیلۃ الشیخ اسعد اعظمی حفظہ اللہ اور فضیلۃ الشیخ محمد اسلم مبارک پوری حفظہ اللہ کے ساتھ تفسیر وعلوم تفسیر اور حفظ قرآن کے نصاب ومنہج تعلیم کا ایک بہترین خاکہ تیار کیا۔ ڈاکٹر موصوف حفظہ اللہ نے جامعہ کی پرشکوہ مسجد میں انتہائی علمی وجامع اور بصیرت افروز خطبۂ جمعہ بھی دیا جس سے سامعین کافی متاثر ہوئے۔

ششماہی امتحان:

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس میں سال رواں کا ششماہی امتحان ۵/دسمبر ۲۰۱۶ء بروز سوموار تا ۱۸/دسمبر ۲۰۱۶ء بروز اتوار ہوگا۔ اور ششماہی امتحان کی تیاری کے لیے ۲۸/نومبر ۲۰۱۶ء بروز سوموار تا ۴/دسمبر ۲۰۱۶ء بروز اتوار اسباق بند رہیں گے۔

(شعبۂ اطلاعات ورابطہ عامہ)

باب الفتاوی

سوال (۱): سجدہ میں جاتے وقت زمین پر پہلے ہاتھ رکھنا چاہیے یا گھٹنا؟ دلائل صحیحہ کی روشنی میں واضح فرمائیں؟
سوال (۲): حالت سجدہ میں دونوں پیر کی ایڑیاں ملی ہونی چاہئیں یا کھلی ہوئی؟

الجواب بعون اللہ الوھاب:

ج: (۱) صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ اس سلسلہ میں جتنی احادیث ہیں ان میں سب سے زیادہ صحیح حدیث یہ ہے: "عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: إذا سجد أحدكم فلا يبرك كما يبرك البعير وليضع يديه قبل ركبتيه". (صحیح سنن ابی داود، باب کیف یضع رکبتیہ قبل یدیہ، ح: ۸۴۰، سنن نسائی، ترمذی: ۲۶۹)
ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اونٹ کی طرح نہ بیٹھے اور اپنے ہاتھ گھٹنوں سے پہلے (زمین پر) رکھے۔

اس لیے اس حدیث صحیح پر عمل کرتے ہوئے سجدے کے لیے جھکتے وقت پہلے (اونٹ کی مانند گھٹنے نہیں بلکہ) ہاتھ زمین پر رکھنے چاہئیں۔ بالعموم محدثین عظام اور حنابلہ اسی کے مطابق عمل کے قائل ہیں۔ (نیل الأوطار: ۸۲/۲، المحلی لابن حزم: ۴/ ۱۲۹-۱۳۰) علامہ ابن قیم بھی اسی کے قائل ہیں۔ (زاد المعاد: ۲۲۲/۱)

اس حدیث کو امام البانی ؒ کے علاوہ دیگر محدثین و محققین رحمہم اللہ نے بھی صحیح کہا ہے، ملاحظہ فرمائیں: (المجموع: ۳/ ۴۲۱)، تحفۃ الاحوذی: (۲۲۹/۱)، سبل السلام: (۲۸۵/۱-۲۸۷)

اس حدیث صحیح کے شاہد کے طور پر حضرت نافع ؒ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ گھٹنوں سے پہلے اپنے ہاتھ رکھا کرتے تھے اور فرماتے تھے: "رسول اللہ ﷺ ایسا ہی کیا کرتے تھے"۔ اس حدیث کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں: "عن نافع عن ابن عمر رضى الله عنه: أنه كان يضع يديه قبل ركبتيه، وقال: كان رسول الله ﷺ يفعل ذلك". (صحیح ابن خزیمہ: ۳۱۸/۱، ح: ٦۲۷) اس حدیث کے حکم پر صحیح ابن خزیمہ کے مذکورہ صفحہ کے حاشیہ میں محدثین کرام کا یہ قول منقول ہے: "اسناده صحيح، وصححه الحاكم ووافقه الذهبي" یعنی یہ روایت محدثین کی تحقیق کے مطابق صحیح ہے۔

کچھ حضرات سجدہ میں جاتے ہوئے پہلے گھٹنے رکھنے کے قائل ہیں۔ وہ اپنے موقف کی تائید میں یہ روایت پیش کرتے ہیں:

"عن وائل بن حجر رضي الله عنه قال: رأيت رسول النبي ﷺ: إذا سجد وضع ركبتيه قبل يديه وإذا نهض رفع يديه قبل ركبتيه". (ضعیف سنن ابی داود: ۸۳۸۱) ترجمہ: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ

سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا جب آپ سجدہ کرتے تو دونوں گھٹنے ہاتھوں سے پہلے زمین پر رکھتے اور جب سجدہ سے اٹھتے تو دونوں ہاتھ گھٹنوں سے پہلے اٹھاتے۔ یہ روایت ضعیف ہے، اس کی سند میں شریک بن عبداللہ قاضی راوی ضعیف ہے۔(سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ :۳۲۹/۲، ح:۹۲۹)

یہ روایت ضعیف ہے اس لیے یہ موقف قابل عمل نہیں ہے۔

حضرت وائل رضی اللہ عنہ والی روایت کو اگر صحیح مان بھی لیا جائے تب بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی روایت ہی کو ترجیح حاصل ہوگی، اس لیے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی روایت قولی ہے یعنی یہ آپ ﷺ کا فرمان ہے، اور حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ والی روایت فعلی، یعنی یہ آپ ﷺ کا فعل ہے، اور جب آپ ﷺ کے قول وفعل میں تعارض آجائے تو قول کو ہی ترجیح حاصل ہوتی ہے جیسا کہ اصول سے یہ بات ثابت ہے۔

ج: (۲) حالت سجدہ میں دونوں ایڑیوں کو ایک دوسرے سے ملا کر کھڑی کرکے پیر کی انگلیوں کو قبلہ رخ کرکے رکھنی چاہیے۔

ایڑیوں کو کھڑی کرکے انگلیوں کو قبلہ رخ کرنے کی دلیل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی وہ روایت ہے جس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ میرے بستر پر تھے اور رات کو میں نے آپ کو بستر پر نہ پایا تو میں نے آپ ﷺ کو تلاش کرنا شروع کیا۔

"فوقعت يدي على بطن قدمه وهو في المسجد وهما منصوبتان". (صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب مایقال فی الرکوع والسجود (۴۸٦) ترجمہ: میرا ہاتھ نبی ﷺ کے قدموں کے تلووں پر لگا، آپ ﷺ سجدہ کی حالت میں اور آپ کے مبارک قدم کھڑے تھے۔

اور دونوں ایڑیوں کو ملا کر رکھنا چاہیے، اس کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی وہ روایت جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "فوجدته ساجدا راصا عقبيه مستقبلا بأطراف أصابعه القبلة" (صحیح ابن خزیمہ (٦۵۴) وصحیح ابن حبان (الاحسان: ۱۹۳۰) والسنن الکبری للبیہقی (۱۱٦/۲) وصححہ الحاکم (۱: ۲۲۸، ۲۲۹) علی شرط الشیخین ووافقہ الذھبی، یہ روایت محدثین کے نزدیک صحیح سند سے ثابت ہے) ترجمہ: میں نے آپ ﷺ کو سجدہ کی حالت میں اس طرح پایا کہ آپ اپنی ایڑیوں کو ملائے ہوئے اپنی انگلیوں کو قبلہ رخ کیے ہوئے تھے۔

دار الإفتاء

جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس

☆☆☆